"فہمِ دین کورسز میں پڑھائی جانے والی ایک بہترین کتاب"

ایمانیات



مرتب: مفتی منیر احمد صاحب

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

استاذ: معہد العلوم الاسلامیۃ (رجسٹرڈ)

متصل: جامع مسجد الفلاح بلاک H نارتھ ناظم آباد کراچی

◀ کتاب کا نام : ایمانیات

◀ مرتب : مفتی منیر احمد صاحب

◀ تاریخ طباعت : رجب 1437ھ اپریل 2016ء

◀ ناشر : ادارہ احیاءِ علوم نبوت

◀ ای میل : maahdpc@gmail.com

◀ ویب سائٹ : muftimuneer.blogspot.com

◀ فیس بک : MuftiMuneerAhmadOfficial

ملنے کا پتہ

دارالکتب

متصل جامع مسجد الفلاح بلاک "H" شمالی ناظم آباد، کراچی

فون نمبر: 0331-2607207 - 0331-2607204

 24 Mar,2016

فہرستِ مضامین

کچھ کتاب کے بارے میں

مقاصد

دین کی سمجھ پیدا کرنے کے لیے، دین کے چار بنیادی شعبوں (1. ایمانیات 2. عبادات 3. معاملات 4. اخلاق/معاشرت) میں ایک شعبہ (ایمانیات) کا تعارف اور آگاہی

اسلوب وطریقہ کار

- پوری کتاب میں سوال و جواب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے تاکہ معلومات کا حفظ کرنا آسان ہو
- ذہنوں میں اسلام کی برتری بیٹھے، اس چیز کو پیدا کرنے کے لیے عقائد، توحید، رسالت وغیرہ عنوانات کے تحت اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابل بھی پیش کیا گیا ہے۔
- ہر عنوان کے تحت عملی تشکیل بھی کی گئی ہے مثلاً پہلے باب ''اللہ تعالیٰ پر ایمان'' کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے حقوق، اس طرح دیگر ابواب میں فرشتوں، نبیوں، قرآن کے حقوق بیان کیے گئے ہیں۔
- ہر عنوان کے تحت فوائد، ثمرات، اغراض ومقاصد کی بھی وضاحت کی گئی ہے

مثلاً عقیدہ کی اصلاح کے فوائد، تقدیر پر ایمان کے فوائد، توحید کی تعلیم، فرشتوں پر ایمان کی تعلیم، رسالت وآخرت پر ایمان کی تعلیم کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟

- طباعت سے پہلے سالہا سال تک اس کتاب کو مختلف اداروں نے فہم دین کورسز میں پڑھایا ہے۔

- اکابر ہی کی باتوں کو اس کتاب میں آسان کر کے پیش کیا گیا ہے، تخلیقی مضمون نہ ہونے کے برابر ہے۔
- اجتہاد و تقلید کے اعتبار سے چونکہ لوگوں کے ذہنوں میں بہت سے شکوک و شبہات ہوتے ہیں اس لیے ایمانیات کی کتاب میں اس باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔
- اگلے ایڈیشن میں ان شاء اللہ ایک باب کا اور اضافہ کیا جائے گا ''اسلام اور جدید ذہنوں کے اشکالات کا حل''

❑ درخواست والتجا

- عوام کو دین سکھانے کے لیے جو کورسز سالانہ یا تین ماہی وغیرہ کرائے جاتے ہیں ان میں یہ کتاب پڑھائی جاسکتی ہے۔
- جون جولائی کی چھٹیوں یا سردیوں کی چھٹیوں میں، اسی طرح میٹرک کی چھٹیوں میں فہم دین کورسز منعقد کر کے اس کتاب کو پڑھایا جاسکتا ہے۔
- اگر مختصر دورانیہ کے کورسز ہوں تو اس کتاب کو اس طرح پڑھایا جاسکتا ہے کہ آسان ابواب مثلاً دوسرا باب، پانچواں باب اسی طرح دیگر ابواب میں جو آسان باتیں ہوں ان کا مطالعہ کروالیا جائے بقیہ ابواب درساً پڑھا دیے جائیں۔
- معتکفین کو دورانِ اعتکاف یہ کتاب پڑھائی جاسکتی ہے۔
- مساجد میں مختلف نمازوں کے بعد اس کے مضامین سنائے جاسکتے ہیں۔

(مفتی) منیر احمد

ایمانیات

- عقائد سے متعلق بنیادی اہم باتیں
- پہلا باب: اللہ تعالیٰ پر ایمان
- دوسرا باب: فرشتوں پر ایمان
- تیسرا باب: آسمانی کتابوں پر ایمان
- چوتھا باب: رسولوں پر ایمان
- پانچواں باب: آخرت پر ایمان
- چھٹا باب: قضاوقدر پر ایمان
- ساتواں باب: رسوم وبدعات
- آٹھواں باب: فقہ، اجتہاد، تقلید

عقائد سے متعلق بنیادی اہم باتیں

- ❑ اسلام کا جامع اصلاحی نظام
  - اسلام چار چیزوں کا نام ہے
- ❑ عقائد کی حقیقت واہمیت
  - دل کی تین کیفیتیں
  - ایمان اوراحادیث
  - ایمان اورقرآن
- ❑ عقائد کا تقابل
- ❑ عقائد
  - ایمان اوراسلام میں فرق
  - ایمان کی چھ بنیادیں
  - ایمان کے 77 شعبے
  - ایمان کی حلاوت
- ❑ کفروشرک کی حقیقت

• عقائد سے متعلق بنیادی اہم باتیں

❑ اسلام کا جامع اصلاحی نظام

سوال 1: دین یا مذہب کسے کہتے ہیں؟

ج: دین یا مذہب لغت میں اس ''طریقہ اور قانون'' کو کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے چاہے وہ درست ہو یا غلط
اور اصطلاح شریعت میں دین/ مذہب اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وہ طریقہ ہے جس کو بندہ اپنے اختیار سے اپنا کر حقیقی کامیابی اور فلاح پا جائے۔

سوال 2: ہمارا مذہب کیا ہے؟

ج: ہمارا دین اور مذہب اسلام ہے، یہی وہ مذہب ہے جو انسان کی نجات اور کامیابی کا ضامن ہے، دینِ اسلام جیسی جامعیت، کمال اور جاذبیت کسی دوسرے مذہب میں نہیں، یہی مذہب ساری دنیا کے لیے تا قیامت کامیابی کا ضامن ہے۔
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب مقبول نہیں، جس نے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب اپنایا، وہ دنیا اور آخرت کے خسارہ اور ناکامی کے علاوہ اللہ کے غیظ وغضب کا مستحق ہوا۔

سوال 3: دین اسلام کیا ہے؟

ج: دین اسلام عقیدے اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اُن کا دل میں یقین

نام مذہبِ اسلام ہے۔

سوال 4: اسلام کے جامع اصلاحی نظام پر روشنی ڈالیں۔

اب: دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاءؑ میں حضور ﷺ وہ برگزیدہ ہستی ہیں جنھوں نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کیے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہوگئی ہو اور یہ اس لیے کہ تمام انبیاءؑ میں خاتم نبوت، مکمل دین اور آخری معلم کی حیثیت آپ ﷺ ہی کو عطا ہوئی تھی اگر انسان کی عملی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ ﷺ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی، حالانکہ آپ ﷺ نے فرمادیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں۔(بخاری)

آپ ﷺ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہؓ کے عہد میں بھی تعجب ہوتا تھا، بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر ﷺ تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضائے حاجت کیسے کرنی چاہیے، حضرت سلمانؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے، آپ ﷺ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت حاصل کریں اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو۔(ترمذی)

نبوت محمدی ﷺ کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے

بلند اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لیے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے۔ عرب کے بدووں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لیے آپ ﷺ کی بعثت تھی۔ اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہیں، آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لیے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی ہے لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہے عقائد، پادریوں کی نسلوں سے دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب وتمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں، اخلاق ہوں کہ آدابِ تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ سب کا ماخذ محمد رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

- **اسلام چار چیزوں کا نام ہے: عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق**

آپ ﷺ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے چار ابواب پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔

آپ ﷺ نے بتایا ہے کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے

ایک لگاؤ تو عالمِ غیب سے ہے اور دوسرا عالمِ شہود سے، پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مہربان آقا اور فرماں بردار غلام کا ہے اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندے کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات سے ہے تو اس کا نام عقیدہ ہے اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائیداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادات ہے، باہم انسانوں میں یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں، اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے اور اگر ان کی حیثیت قانون کی نہیں بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآنِ پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عملِ صالح ہے اور ان ہی دونوں کے مجموعہ پر مل نجات کا انحصار کاہے۔

عمل صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانون الٰہی کی پابندی اور ان کے ساتھ محبت، الفت اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گو اس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ ﷺ جو عالم گیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے وہ ان ہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق ان ہی کی اصلاح، تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اور یہی آپ ﷺ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں۔ (سیرت النبیؐ: 219/4)

❑ عقائد کی حقیقت واہمیت

سوال5: عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

اب: عقیدہ کے لفظی اورلغوی معنیٰ ''باندھنے'' کے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں دین ومذہب سے متعلق وہ نظریات جو دل میں جما لیے جائیں، وہ عقیدہ کہلاتے ہیں۔

سوال6: عقیدہ کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: ''عقیدہ'' انسان کے کردار واعمال کی تعمیر میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ انسان کے تمام اخلاق واعمال کی بنیاد ارادے پر ہے اور ارادے کا محرک دل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ دل انہی چیزوں کا ارادہ کرتا ہے جو دل میں راسخ اور جمی ہوئی ہوں، اس لیے انسان کے اعمال واخلاق کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دل میں صحیح عقائد ہوں، لہٰذا عقیدے کی اصلاح نہایت اہمیت رکھتی ہے۔

وضاحت وتفصیل: انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات کا محور اس کے خیالات ہیں، یہی اس کو بناتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اس کے چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں ان ہی اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں۔ یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک، ہمارے خیالات اور جذبات ہیں اور ہمارے خیالات اور جذبات پر

ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں ان ہی چیزوں کی تعبیر ہم ''دل'' کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے۔ فرمایا:

''انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا وہ ٹکڑا دل ہے۔'' (بخاری)

● دل کی تین کیفیتیں ہیں:

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے

(1) قلب سلیم (سلامت دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر طبیعتاً نجات اور سلامت روی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل ہے

(2) قلب اثیم (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے اور تیسرا

(3) قلب منیب (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہوتا ہے، غرض یہ سب نیرنگیاں ایسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جس کا نام دل ہے، ہمارے تمام اعمال کا محرک، ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے۔ (صحیح بخاری)

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ ﷺ نے یوں ادا فرمایا:

ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی (یعنی

اس سے اس کو ثواب حاصل نہ ہوگا۔'' (صحیح بخاری)

آج کل علمِ نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بداہتاً ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لیے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے اب صحیح اور صالح عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول ومقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں۔

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصولِ موضوعہ اور اصول متعارفہ کے مانے بغیر نہ بن سکتی ہے نہ ثابت ہو سکتی ہے اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لیے بھی چند اصول موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کر لیں۔

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لیے ہم کو رہنما نظر آتی ہے لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں، وہ ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اس لیے اس پابہ زنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پا سکتے، اگر پا سکتے ہیں تو اپنے صحیح دلی یقینیات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے ایمان کا ذکر ہمیشہ ''عملِ صالح'' کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے، جس پر حسنِ عمل کا دار و مدار ہے۔

● ایمان اور احادیث

عبداللہ بن جدعان ایک قریشی تھا، جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کیے

تھے مگر اس پر مشرک تھا، اس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ

دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کیے کیا ان کا ثواب اس کو ملے گا؟ فرمایا نہیں اے عائشہؓ! کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ بارِ الٰہا! میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے۔ (ابن ابی شیبہ)

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا کہ اے محمد! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لیے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے۔ فرمایا کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا ''نہیں'' فرمایا واپس جاؤ کہ میں اہلِ شرک سے مدد کا خواست گار نہیں۔ دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی، مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔ اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ ﷺ کی بے نیازی کی کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا، تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ''تم کو خدا اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔'' تو اس نے اثبات میں جواب دیا اور نورِ اسلام سے منور ہو کر لڑائی کی صف میں داخل ہوا۔ (مسلم)

● ایمان اور قرآن

قرآن پاک نے ان لوگوں کے کارناموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں۔ اس راکھ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ اسی طرح اس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے بے بنیاد اور بے اصل ہیں

جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے کاموں کی مثال راکھ
کی ہے جس پر آندھی والے دن زور سے ہوا چلی وہ اپنے کاموں
سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، یہی سب سے بڑی گمراہی
ہے۔(ابراہیم:18)

سورۂ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

اور جنہوں نے خدا کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کی طرح ہیں جو
میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس
کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے۔(النور:39)

اس کی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا اور جس میں ہوش وحواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے۔

یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں سخت
اندھیرا ہو، اس کے اوپر موج اور موج پر پھر موج اور اس کے اوپر
بادل گھرا ہو۔ اندھیرے میں ایک کے اوپر ایک کہ اس میں ہاتھ
نکالے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے۔ جس کو خدا نے نور نہ دیا اس کے
لیے نور نہیں۔(النور:40)

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے ریا، نمائش اور خود غرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دی جاسکتی، وہ کام جو گو بظاہر نیک ہوں لیکن نیکی کرنے والے کا اصلی مقصد نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے تو اخلاقی نقطہ نظر سے تمام

دنیا ان کو بے وقعت اور ہیچ سمجھتی ہے اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور فرمایا:

> اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر اور طعنے دے کر اس طرح نہ برباد کرو جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اپنا مال اور خدا پر (جو نیکیوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر (جس میں نیکیوں کی جزا ملے گی) یقین نہیں کرتا پس اس کی خیرات کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو ذرا اس پر پانی برسا اور مٹی ڈھل کر پتھر رہ گیا، جس پر جو کچھ بویا جائے گا وہ اگے گا نہیں اور خدا کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ (بقرۃ:264)

غرض ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے وہ ہماری سیرابی کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی، کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں، خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل کا نور ہے وہ نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا، نمائش، جاہ پسندی، خودغرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے نکمے جذبات و پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے۔

اسی لیے شریعت کے احکام بعد میں آئے پہلے ایمانیات (توحید، رسالت، آخرت) کے ذریعہ لوگوں کا ایمان بنایا گیا، اسی وجہ سے قیام مکہ کے زمانہ میں جتنی آیتیں نازل ہوئیں وہ اکثر عقائد، ایمانیات سے متعلق ہیں، تیرہ سال تک مکہ مکرمہ

میں انہی مضامین کو دہرایا جاتا رہا۔

اگر ایمانیات سے پہلے احکام اترتے تو احکام پر کون عمل کرتا، اسی نکتہ کو حضرت عائشہؓ نے بہت خوبی سے بیان فرمایا:

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے عذاب وثواب کی آیتیں نازل ہوئیں جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہوگئی تو احکام نازل ہوئے ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو تو کون مانتا۔''

(بخاری: باب تالیف القرآن)(سیرت النبیؐ:434/2)

❑ عقائد کا تقابل

سوال 7: اسلام بھی عقائد کی اہمیت بیان کرتا ہے اور دیگر مذاہب بھی لیکن اسلام کس حیثیت سے عقیدہ کو اہمیت دیتا ہے اور دیگر مذاہب کس حیثیت سے فرق واضح کریں۔

اب: توراۃ میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے مگر ایمان کی حقیقت اور اس کی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے، انجیل میں ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے مگر اخلاق کی سچائی، اعمال کی راستی اور دل کے اخلاص کے لیے نہیں بلکہ معجزوں اور کرامتوں کے ظاہر کرنے کے لیے اور خوارق عادت پر قدرت اور اختیار پانے کے لیے۔ اس کے برخلاف فلسفہ یونان کے بہت سے پیروؤں اور ہندوستان کے بہت سے مذہبوں نے محض ذہنی جولانی، مراقبہ، تصور، دھیان اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا اور اخلاق وعمل سے کوئی تعرض نہیں کیا، عیسائیوں، زردشتیوں اور برہمنوں نے عقائد کو یہ وسعت دی اور ان کی ایسی تفصیل کی کہ وہ سرتا پا خیالی فلسفہ بن گئے، جس سے

تصوریت عملیت پر غالب آگئی اور انسانوں کے قوائے عمل سرد ہوگئے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے علم وعمل، تصور اور فعل، عقلیت اور عملیت میں لزوم ثابت کیا مگر اصلی زور انسان کی عملیت پر صرف کیا اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین واقرار ضروری قرار دیا جو دل کی اصلاح کرے اور عمل کی بنیاد، اخلاق وعبادات کی اساس قرار پاسکے، عقائد کی فلسفیانہ الجھاؤ اور تصورات و نظریات کی تشریح وتفصیل کرکے عملیت کو برباد نہیں کیا۔

❑ عقائد

● ایمان اور اسلام میں فرق

سوال 8: ایمان اور اسلام کسے کہتے ہیں؟

ج: ایمان کے اصل معنیٰ کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔ (معارف الحدیث: 1/49)

اور اس تصدیق کا زبان سے اظہار واقرار کرنا اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق گزارنا ''اسلام'' کہلاتا ہے، لہٰذا ایمان وہ بنیاد ہے جس پر مذہب اسلام کی عمارت قائم ہے اس کے بغیر صرف زبان سے اقرار کرنا منافقت ہے، چنانچہ ایمان کے بغیر (اللہ تعالیٰ کے یہاں) نہ اسلام معتبر ہے اور نہ عملِ صالح کا کوئی اعتبار ہے

• یمان کی چھ بنیادیں

سوال 9: مسلمان ہونے کے لیے کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے؟

ج: ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ نے حضورِ پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند سوالات اُمّت کی تعلیم کے لیے کیے تھے جس میں ایک سوال ایمان کے بارے میں تھا اور آپ ﷺ نے اس کے جواب میں کلمۂ شہادت کے علاوہ، وہ بنیادی باتیں بیان فرمائی تھیں جن کی تصدیق کرنا ایمان کے لیے ضروری ہے اور وہ باتیں ایمانِ مفصل میں جمع کر دی گئی ہیں۔

ایمانِ مفصل یہ ہے:

"آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَآئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ"

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر کہ ہر خیر و شر اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

• ایمان کے 77 شعبے

سوال 10: کامل مسلمان کسے کہتے ہیں؟

ج: کامل مسلمان اسے کہتے ہیں جس میں ایمان کے تمام شعبے موجود ہوں۔ وہ شعبے مندرجہ ذیل ہیں:

تیس شعبے دل سے متعلق ہیں:

(1) اللہ پر ایمان لانا۔ (2) یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز حادث (نو پید) اور مخلوق ہے۔ (3) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (4) سب کتابوں پر ایمان لانا۔ (5) پیغمبروں پر ایمان لانا۔ (6) تقدیر پر ایمان لانا۔ (7) قیامت کے دن پر ایمان لانا۔ (8) جنت کا یقین کرنا۔ (9) دوزخ کا یقین کرنا۔ (10) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا۔ (11) جس کسی سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی کرنا اور جس کسی سے بغض کرنا اللہ تعالیٰ لیے ہی کرنا۔ (12) اللہ تعالیٰ کے رسول سے محبت کرنا۔ (13) اخلاص۔ (14) توبہ۔ (15) خوف۔ (16) رجاء۔ (17) حیاء۔ (18) شکر۔ (19) عہد کا پورا کرنا۔ (20) صبر۔ (21) تواضع۔ (22) مخلوق پر رحمت وشفقت۔ (23) قضائے الٰہی پر راضی ہونا۔ (24) توکل کرنا۔ (25) خود پسندی کا ترک کرنا۔ (26) کینہ ترک کرنا۔ (27) حسد کا ترک کرنا۔ (28) غصہ کا ترک کرنا۔ (29) بدخواہی ترک کرنا۔ (30) حب دنیا کا ترک کرنا۔

سات شعبے زبان سے متعلق ہیں:

(1) کلمہ توحید کا پڑھنا۔ (2) قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ (3) علم سیکھنا۔ (4) علم سکھانا۔ (5) دعا کرنا۔ (6) ذکر کرنا۔ (7) لغو اور ممنوع کلام سے بچنا۔

چالیس شعبے اعضاء سے متعلق ہیں۔

ان میں سے سولہ خود انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہیں:

(1) طہارت حاصل کرنا (اس میں بدن، کپڑوں جگہ کی طہارت، وضو کرنا، غسل کرنا، جنابت سے، حیض سے، نفاس سے سب کچھ داخل ہوگیا۔) (2) نماز کا قائم کرنا (اس میں فرض، نفل وقضاء

(4) روزہ (فرض ہو یا نفل۔) (5) حج وعمرہ۔ (6) اعتکاف (شب قدر کا تلاش کرنا بھی اس میں آ گیا۔) (7) اپنے دین کو بچانے کے لیے کہیں چلے جانا (اس میں ہجرت بھی آ گئی۔) (8) نذر پوری کرنا۔ (9) قسم کا خیال رکھنا۔ (10) کفارہ ادا کرنا۔ (11) بدن چھپانا نماز اور غیر نماز میں۔ (12) قربانی کرنا۔ (13) جنازہ کی تجہیز وتکفین وتدفین۔ (14) قرضہ ادا کرنا۔ (15) معاملات میں سچا اختیار کرنا اور غیر شرعی معاملات سے بچنا۔ (16) سچی گواہی ادا کرنا اور اس کو پوشیدہ نہ رکھنا۔

چھ اپنے اہل سے متعلق ہیں:

(1) نکاح سے عفت و پاکدامنی حاصل کرنا۔ (2) اہل وعیال کے حقوق ادا کرنا (اس میں نوکر خدمت گزار سے نرمی ولطف کرنا بھی آ گیا۔) (3) والدین کی خدمت کرنا اور ان کو ایذاء نہ دینا۔ (4) اولاد کی پرورش کرنا۔ (5) رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا۔ (6) مالکان کی اطاعت کرنا۔

اٹھارہ عام لوگوں سے متعلق ہیں:

(1) حکومت سے عدل کرنا۔ (2) مسلمانوں کی جماعت کی اطاعت کرنا۔ (3) حکام کی اطاعت کرنا۔ (4) لوگوں میں اصلاح کر دینا، اس میں خوارج اور باغیوں کے ساتھ قتال کرنا بھی داخل ہے کیونکہ فساد کا دفع کرنا اصلاح کا سبب ہوتا ہے۔ (5) نیک کام میں مدد دینا۔ (6) نیک بات بتلانا۔ (7) بری بات سے منع کرنا۔ (8) جہاد کرنا، اس میں سرحد کی حفاظت بھی آ گئی۔ (9) امانت ادا کرنا، اس میں خمس نکالنا بھی داخل ہے۔ (10) کسی حاجت مند کو قرض دینا۔ (11) پڑوسی کی خاطر داری کرنا۔ (12) خوش معاملگی۔ (13) مال کو اس کے موقع میں صرف کرنا، اس میں فضول خرچی سے بچنا بھی آ گیا۔ (14) سلام کا جواب دینا۔ (15) چھینکنے والے کو جواب دینا یعنی جب الحمد للہ کہے تو جواب میں

یرحمک اللہ کہنا۔ **(16)** لوگوں کو ضرر نہ پہنچانا۔ **(17)** لہوو باطل سے بچنا۔ **(18)** ایذاء دینے والی چیز جیسے کانٹا ڈھیلا راہ سے ایک طرف کرنا، ہٹا دینا۔ (فروع الایمان)

● ایمان کی حلاوت

سوال **11:** ایمان کی حلاوت حاصل کرنے کے لئے کون سے تین کام کرنے پڑیں گے؟

جواب: **(1)** اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت

(2) اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبت

(3) اسلام پر پختگی (حیات المسلمین: روح چہارم)

❑ کفروشرک کی حقیقت

سوال **12:** شرک کسے کہتے ہیں؟

اب: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات یا عبادت میں کسی دوسرے کو شریک بنانا شرک کہلاتا ہے، جیسے ہندو بہت سے خدا مانتے ہیں، عیسائی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کو بھی خدا مانتے ہیں۔

صفات میں شرک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کسی دوسرے کیلئے ثابت کرنا، جیسے کسی پیر فقیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اولاد دے سکتا ہے یا بارش برسا سکتا ہے۔

اسی طرح عبادت میں شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو بھی عبادت کے لائق سمجھنا، جیسے قبر کو یا پیر کو عبادت کے طور پر سجدہ کرنا، اللہ کے سوا کسی پیر کے نام کی منت مانگنا یا کسی نبی یا ولی کے نام کا روزہ

سوال 13: کفر کیا ہے؟

اب: جن باتوں کی تصدیق اور اقرار ایمان کے لئے ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دینا کفر ہے، جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کا انکار کر دے، یا کسی پیغمبر کو نہ مانے، تو ایسا شخص کافر ہو جائے گا۔

سوال 14: تفصیل سے بتائیں کہ وہ کیا چیزیں ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے؟

اب: کفر شریعت میں ایمان کی ضد ہے پس جن چیزوں پر ایمان لانا اور جن کی تصدیق کرنا ایمان اجمالی و تفصیلی میں ضروری ہے، ان میں سے

- کسی ایک چیز کا بھی انکار کرنے سے (آدمی) کافر ہو جاتا ہے پھر یہ انکار خواہ دل سے ہو یا زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالے کہ جس سے صراحۃً یا اشارۃً انکار ثابت ہو جائے
- یا دل میں شک لانے سے یا کلمات شک زبان سے نکالنے سے خواہ ان سے صراحۃً شک ثابت ہو یا اشارتاً
- یا کسی ایسے کام سے جو کہ تصدیق قطعی کے منافی ہو کافر ہو جاتا ہے۔

اس لیے جن چیزوں سے کفر لازم آتا ہے (یعنی موجباتِ کفر) پانچ اقسام پر منقسم ہوئیں۔

قسم اول: وہ کلمات جو صراحۃً انکار پر دلالت کرتے ہیں اور اس کے چند اصول ہیں

(1) جس چیز کی فرضیت قرآن کریم کی ظاہری عبارت سے یا حدیث متواتر سے معلوم ہو جائے اس کے بعد اگر کوئی شخص اس کو فرض نہ کہے گا وہ کافر ہو جائے گا

مثلاً کسی نے کہا کہ نماز پڑھو یا کہا کہ روزہ رکھو، اس شخص نے جواب میں نماز فرض نہیں یا کہا کہ روزہ فرض نہیں تو وہ شخص کافر ہو گیا۔

(2) حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا جبکہ وہ حلال یا حرام دلیلِ قطعی سے ثابت ہو نہ کہ خبر احاد سے کیونکہ خبر احاد کا منکر کافر نہیں ہوتا (البتہ گنہگار ہوتا ہے) نیز یہ کہ وہ حرام لعینہ ہو لغیرہ نہ ہو

1) مثلاً کسی نے کہا کہ خنزیر یا سود یا زنا یا جھوٹ بولنا یا ناحق قتل کرنا یا ظلم کرنا یا جادو کرنا یا شراب پینا یا جوا کھیلنا یا غیبت کرنا وغیرہ حلال ہے تو کافر ہو گیا

2) یا ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کو (جو شرعاً جائز ہے اس کو) پسند نہ کرے

3) یا پھوپھی یا چچا کی بیٹیوں سے نکاح پسند نہ کرے

4) یا یہ کہے کہ میں رسم و رواج پر چلوں گا شریعت پر نہیں چلوں گا (ہاں اگر فسادِ زمانہ کی شکایت کے طور پر یوں کہے کہ ہم لوگوں کا عمل رسوم و واج پر ہے شریعت پر نہیں ہے لور شریعت کے حکم کی تردید کا ارادہ نہ ہو تو کافر نہ ہوگا) یا اگر کوئی کہے کہ کچھ تو شرم کرو اور وہ جواب میں کہے کہ میں شرم نہیں کرتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

الحیاء شعبة من الایمان ”حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔“

5) گر کوئی اپنی ابیوی کافر کہہ دے اوکو بیوی کہے میں ایسی ہی ہوں مجھے چھوڑ دو تو وہ کافر ہو جائے گی کیونکہ اس طرح کہنے سے اس نے اپنے کفر

کافر ہوں تو مجھے چھوڑ دو تو فر نہ ہوگا گی۔

7) کوئی شخص ایمان لائے اور دوسرا اس کو منع کرے یا کہے کہ کچھ دیر کو ٹھہر جاؤ۔

8) جو اپنے بیٹے کو شراب پلا کر خوش ہو اور مبارکباد دے۔

9) گو ام چیز پینے کے وقت یا فسق کا کام کرنے کے وقت کوئی دوسرا آدمی فاسق کہے اور وہ خوش ہو۔

10) حرام راگ کی تعریف کرے یا حرام کو اچھا جانے۔

11) ئی یوں کہے کہ تیرے اسلام پر لعنت ہو۔

12) چوری اور غصب (زبردستی چھینی ہوئی چیز) کو ثواب کی امید سے صدقہ

نا کفر ہے (یعنی جبکہ مال اصلی حالت پر موجود ہو اور صاحب مال بھی موجود و معلوم ہو لیکن صاحب مال کو تو نہ دے اور ثواب کی امید پر فقرا کو صدقہ کرے تو کافر ہوگا لیکن اگر مال کی حالت بدل گئیا صاحب مال اور اس کے ورثاء معلوم و موجود نہیں تو اس صورت میں صدقہ کرنا واجب ہوگا اور ثواب کی بھی امید ہے لیکن چوری اور غصب کا گناہ اس پر قائم رہا۔)

13) راگ بالمزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات کے ساتھ گانا گانے) کو حلال جاننا۔

(3) للہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنا مثلاً یوں کہنا کہ خدا نہیں ہے یہ سب ڈھونگ ہے یا دنیا خود بخود بن گئی وغیرہ۔

(4) اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا انکار کرنا مثلاً یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت موجود نہیں ہے یا ہمیشہ سے نہیں یا ہر چیز پر قادر نہیں یا وہ ہر شخص کی دعا نہیں

سنتا یا فلاں فلاں چیزوں کی اس کو خبر نہیں یا وہ کلام نہیں کرتا یا وہ مردہ ہے یا مرجائے گا یا اس نے مخلوقات کو پیدا نہیں کیا دنیا خود بخود بنی ہے یا دنیا مادہ سے خود بخود پیدا ہوگئی ہے اس کا کوئی خالق نہیں ہے وغیرہ ان سب صورتوں میں کفر ہوگیا یا اللہ تعالیٰ کے لیے جگہ مقرر کرنا یا آسمانوں پر سمجھنا کفر ہے کیونکہ وہ زمان ومکان سے پاک ہے اور یہ جو قرآن شریف میں آیا ہے ثم استوىٰ علی العرش ''پھر عرش پر قائم ہوا'' وغیرہ یہ آیات متشابہات میں سے ہے جن کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا خواہ ذاتی نام ہو یا صفاتی انکار کرنا: مثلاً یہ کہنا کہ وہ رحیم یا رحمٰن یا اللہ یا غنی یا کریم وغیر نہیں ہے یا یہ اس کے نام نہیں تو کافر ہوگیا۔

(6) اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بری صفت ثابت کرنا یا اہانت کرنا۔ مثلاً یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرتا ہے فلاں ظلم اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یا فلاں آدمی کے جھوٹ کو اللہ تعالیٰ سچ کر دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے ماں باپ بھائی بہن بیوی اور اولاد ہیں یا اللہ تعالیٰ کھاتا پیتا، سونگھتا اونگھتا ہے یا کسی سے عشق رکھتا ہے یا وہ کسی مرد یا عورت کی شکل میں ہے یا وہ بخیل ہے یا وہ کسی سے ڈر جاتا ہے یا وہ کسی سے مغلوب ہو جاتا ہے یا وہ کسی چیز کو بھول جاتا ہے یا وہ بہت کام کرنے سے تھک جاتا ہے وغیرہ ان سب صورتوں میں کافر ہوگیا اگر کوئی کسی تنگی کی یا بیماری کی تکلیف میں یہ کہہ دے کہ نہ معلوم مجھے اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا ہے کہ تکلیف پر تکلیف دیتا ہے اور دنیا کی لذتوں اور خوشی سے کچھ نصیب نہیں کرتا ... بعض علماء کے نزدیک کفر ہے

اور بعض کے نزدیک کفر تو نہیں لیکن بڑا سخت گناہ ہے ایسی باتوں سے بچنا چاہیے (اس میں تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر غصہ ہوکر ایسا کہنا کفر ہے) کسی نے کہا کہ تم فلاں برے پیشہ کو چھوڑ دو وہ کہے خدا نے ہم کو یہی فرمایا ہے یہ کفر ہے۔

(7) جھوٹی باتوں پر خدا کو گواہ بنانا (کیونکہ یہ بھی اہانت میں داخل ہے) مثلاً یوں کہنا کہ خدا گواہ ہے کہ تو مجھے اولاد سے بھی زیادہ پیارا ہے یا خدا جانتا ہے کہ تیری خوشی اور غم مجھے اپنی خوشی اور غم کے برابر ہے ہرگز کم نہیں۔ یا اگر کوئی شخص مدعا علیہ (جس پر کوئی الزام ہے) سے کہے کہ میں تجھ سے طلاق کی قسم لیتا ہوں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کی۔ اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کی حقارت کے طور پر کہی تو کافر ہوجائے گا اور اگر یہ نیت نہیں تھی بلکہ اس لیے خدا کی قسم نہ کھلائی کہ خدا کی جھوٹی قسم کھالے گا اور اس قسم کی کوئی پرواہ نہ کرے گا اور طلاق کی جھوٹی قسم نہ کھائے گا بلکہ اس سے پرہیز کرے گا تو اس نیت سے طلاق کی قسم لینے والا کافر نہ ہوگا (سچی قسم کھانا حلال ہے اور جھوٹی قسم کھانا حرام اور قہرِ خدا کا سبب ہے) اگر کوئی کہے کہ میں خدا کی قسم اور تیرے پاؤں کی خاک کی قسم کھاتا ہوں تو اس میں کفر کا ڈر ہے کیونکہ یہ سخت بے ادبی ہے۔

(8) اللہ تعالیٰ کے قطعی احکام میں سے کسی حکم کا انکار کرنا مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کام کا حکم فرمائے تو بھی میں نہ کروں گا یا عالمِ دین کو بغیر کسی ظاہری سبب کے دشمن سمجھنا کیونکہ جب عداوت کا دنیوی سبب موجود نہیں تو معلوم ہوا کہ [illegible]

اہانت سے کفر لازم آتا ہے تو عالم دین کی دشمنی سے بطریق اولیٰ کافر ہو جائے گا یا لاحول پڑھنے کی اہانت کرے یا سلام کی آواز کی اہانت کرے یا کسی نے کہا کہ چلو شریعت سے فیصلہ کرائیں دوسرے نے کہا میں شریعت کے فیصلے پر راضی نہیں یہ کفر ہے۔

(9) للہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک بنانا مثلاً دو خدا یا یادہ ماننا یا غیب کا دعویٰ کرنا کہ مجھے غیب کا علم ہے یا فلاں غیب جانتا ہے وغیرہ۔

(10) فرشتوں کا انکار کرنا مثلاً یوں کہنا کہ فرشتوں کا وجود نہیں اگر ہوتا تو ہمیں بھی دکھائی دیتے ایسے ہی گوں کو سنانے یا بہلانے کے لیے قرآن میں فرشتوں کا ذکر کیا ہے یا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہے تو کافر ہو جائے گا۔

(11) قرآنِ کریم یا اس کے کسی جُز کا انکار یا توہین کرنا مثلاً کسی آیت کی برائی کرنا یا انکار کے طرز پر قہقہہ لگانا یا دف یا بانسری یا کسی اور قسم کے گانے بجانے کے آلات کے ساتھ قرآن شریف پڑھنا یا نعت رسول ﷺ یا ذکر الٰہی گانے کے آلات کے ساتھ کرنا یا اگر کوئی بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے دوسرا اس کو کہے کیا طوفانی آواز ہے یا ہنسی مذاق کے ساتھ قرآن شریف کی آیت پڑھنا یا قاری کی اہانت کے طور پر نقل کرنا یا یوں کہنا کہ میں قرآن پڑھ کر سیر ہو گیا یا بطور اہانت کے کہے کہ میں نے بہت قرآن پڑھ لیا یا کوئی کسی کو کہے کہ نماز پڑھو اور [illegible]

یوں کہے کہ بہت نمازیں پڑھ لیں اب طبیعت میں ملال آگیا ہے یا کہے کہ بیکار لوگوں کا کام ہے یا یوں کہے کہ اور سب احکامِ الٰہی کو تو مانتا ہوں مگر نماز یا روزہ یا حج یا زکوٰۃ وغیرہ کسی حکم کو کہے کہ نہیں مانتا یہ کفر ہے۔

(12) کسی نبی کا انکار یا اہانت کرنا مثلاً یوں کہنا کہ حضرت موسیٰ یا عیسیٰ یا آدم یا محمد مصطفیٰ (علیہم الصلوۃ والسلام) نبی نہیں ہیں یا پیغمبروں کو جھوٹا کہنا یا انبیاء علیہم السلام کی طرف فحش یا قصدِ زنا کی یا اور اسی قسم کی کوئی نسبت کرنا مثلاً یوں کہنا کہ فلاں نبی کے ناخن لمبے یا کپڑے میلے تھے یا آدم علیہ السلام کو کپڑا بُننے کی وجہ سے کہے کہ تمام لوگ جولا ہے کی اولاد یا اگر کوئی شخص کہے کہ سر منڈانا مونچھیں کترانا یا ناخن یا بغلیں صاف کرانا سنت ہے اور یہ انکار کرے ایسے ہی کوئی کہے کہ ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھانا اچھا طریقہ ہے پس اگر اس کا ارادہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی ناپسندیدگی و اہانت کا ہے تو یہ کفر ہے اور ہمارے امام صاحب امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا ضابطہ یہ ہے کہ سنت و حدیث قولی یا فعلی یا حضور ﷺ کے کسی حال کی کوئی شخص حقارت یا انکار کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔

(13) تقدیر کا انکار کرنا مثلاً اگر کوئی کہے کہ بندہ اپنے افعال خود وجود لاتا ہے یا یہ کہے کہ خالقِ خیر خدا (یزداں) ہے اور خالقِ شر شیطان (اہرمن) ہے وغیرہ تو کافر ہو جاتا ہے۔

(14) قیامت اور حشر و نشر کا انکار کرنا مثلاً یوں کہنا کہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کیا جائے گا۔ یا اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو فنا نہیں کر سکتے یا حساب نہ ہوگا یا دوزخ و جنت کا ذکر صرف لوگوں کو ڈرانے اور خوش کرنے کے

لیے کر دیا ہے ورنہ حقیقت کچھ نہیں جنت و دوزخ کے کسی ثواب و عذابِ
خاص کا جو کہ قرآن یا حدیث متواتر میں مذکور ہے انکار کرنا مثلاً کہا کہ
وہاں حوریں نہیں یا غلمان نہیں یا دوزخ میں زقّوم کا درخت نہیں یا کسی
دوزخی کے لیے ستر گز کی زنجیر نہ ہوگی وغیرہ یا اگر کوئی کسی سے کسی حق کا
طالب ہو وہ نہ دے تو صاحب حق کہے کہ میں قیامت کے دن سو گنا لے
لوں گا وہ کہے کہ ٹھیک ہے فی الحال تو کچھ اور بھی دے دو اور قیامت میں
سب لے لینا یا اگر کوئی کہے کہ خدا تجھے جنت نصیب فرمائے اور وہ کہے کہ
میں اس کو ہرگز بھی نہ چاہوں یا اگر کوئی کہے کہ میں نہیں جانتا کہ کافروں کا
ٹھکانہ جنت میں ہوگا یا دوزخ میں تو یہ قرآن کا انکار اور کفر ہے یا یوں
کہے کہ مجھے دوزخ کا بالکل خطرہ نہیں یا اگر کوئی کہے کہ گناہ سے پرہیز
کرو تا کہ آخرت میں تمہارا حال تباہ نہ ہو وہ جواب دے کہ اس جہاں
سے کون آیا ہے یا تناسخ کا قائل ہونا اور ہندوؤں کے عقیدے کی
طرح یہ کہنا کہ مُردوں کی روح زندوں میں آجاتی ہے اور دوسرا جنم
لے کر اس جہاں میں رہتی ہے۔

قسم دوم: وہ کلمات ہیں جن سے اشارتاً انکار ثابت ہوتا ہو یعنی ان ہی قسم اول کی چیزوں
کو اس طرح سے کہے کہ اس سے انکار نکلتا ہو۔

مثلاً کسی نے کہا کہ سب دینوں میں اسلام حق ہے اس نے سن کر کہا کہ سب دین حق ہیں
تو وہ کافر ہو گیا یا نجومی یا کاہن کو سچا کہا یا کسی نبی کی اہانت کی مثلاً ان کی کسی بات پر عیب لگایا یا
ن کے کسی فعل مذاق اڑایا یا ان کے حسب و نسب شکل و صورت پر طعن و تشنیع کی وغیرہ ان
سب صورتوں میں کافر ہو گیا

قسم سوم: وہ کلمات ہیں جن سے صراحتاً شک ثابت ہو

مثلاً کسی نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے کریم ہونے میں یا رحیم یا رزاق ہونے میں شک ہے تو وہ کافر ہوگیا۔ اسی طرح چیزیں قطعی الثُّبوت ہیں اگر ان میں شک وشبہ کیا تو کفر ہوجائے گا۔

قسم چہارم: وہ کلمات ہیں جن سے اشارتاً شک ثابت ہو

مثلاً کسی نے کہا کہ قیامت ضرور آئے گی دوسرے نے سن کر کہا کہ دیکھا جائے گا یا کسی نے کہا جنت میں مومنوں کو بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی اور کافروں کو دوزخ میں بڑے سخت عذاب ہوں گے اس نے کہا خیر ہے یہ سب کفر ہے دوسرے اجزائے ایمان کو بھی اسی پر قیاس کرلیجیے۔

قسم پنجم: وہ افعال ہیں کہ جن سے انکار یا شک صراحۃً یا اشارتاً سمجھا جائے۔

مثلاً کسی نے قرآن مجید کو اہانت کی غرض سے نجاست یا آگ میں ڈالا یا اہانت کی غرض سے کعبہ کی طرف پیشاب کیا یا تھوکا یا کسی مسجد کو گرایا یا کسی عالم کو مار ڈالا یا شریعت کی کسی بات پر مذاق اڑایا مثلاً ایک شخص واعظِ قرآن یا قاریِ قرآن کی نقل کرنے لگا اور چند لوگ اس کے پاس بیٹھ کر مذاق سے اس سے مسائل پوچھنے لگے یا اس قرأت کی نقل پر مذاق سے ہنسنے لگے بس وہ سب کافر ہوگئے یا ثواب سمجھ کر کفر کی کسی رسم کو عمل میں لایا مثلاً زنار گلے میں ڈالا یا صلیب ڈالی یا ہندوؤں کی طرح ماتھے پر ٹیکہ لگایا ہولی اور نوروز کو منایا یا مجوسیوں کی سی ٹوپی پہن لی یا کفار کی سی شکل وصورت ووضع قطع بنالی یا ان کے کسی خاص لباس کو (جو ان کا شرعی شعار ہو) پہنا پس اگر ان باتوں کو اچھا جان کر کیا تو کافر ہوجائے گا اور اگر گناہ جان کر کیا تو سخت گنہگار ہوگا مگر کافر نہ ہوگا۔ اگر عذر کے ساتھ یعنی کسی کے خوف سے کرے گا کہ اگر نہ کرے تو

کوئی مار ڈالے گا [illegible]

گناہ بھی نہیں، یا کسی بت یا قبر یا صاحب قبر کے نام بکرا وغیرہ ذبح کیا یا بت یا قبروں کو سجدہ کیا یا توپ یا تھان یا دریا یا چبوترہ یا جھنڈے کے آگے جانور ذبح کیا یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کیا اور افعال شرک بجالایا یا قبلہ معلوم ہوتے ہوئے بلا عذر دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھی یا کسی منع کیے ہوئے کام کو حلال سمجھ کر کیا مثلاً حلال سمجھ کر زنا کیا یا شراب کو مباح سمجھ کر پیا یا اور گناہ اس طرح سے کیے یا کوئی مسلمان شخص مسلمانوں اور کافروں کے عین مقابلے کے وقت کفار کے ساتھ ہوگیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا ان سب سورتوں میں وہ شخص کافر ہوگیا کیونکہ یہ تمام افعال دین کے انکار یا شک پر دلالت کرتے ہیں۔

فائدہ:

(1) اگر کسی نے کوئی کلمہ کفر کہا اور اس کو معلوم نہیں کہ یہ کلمہ کفر ہے تو بعض علماء کے نزدیک جہل عذر نہیں اور وہ کافر ہوگیا بعض کہتے ہیں کہ نہ جاننا (جہل) عذر ہے وہ کافر نہیں ہوا (البتہ دوبارہ نکاح پڑھوانا اور توبہ کرنی چاہیے)

(2) جس وقت کسی نے کفر کی نیت کی اسی وقت کافر ہوگیا خواہ نیت دس برس بعد کے لیے کی ہو مثلاً کسی نے نیت کی کہ اگلے سال کرسچن یا یہودی ہو جاؤں گا تو وہ ابھی کافر ہوگیا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نڈر ہونا کفر ہے۔ (عمدۃ الفقہ : کتاب الایمان:65-63)

پہلا باب: اللہ تعالیٰ پر ایمان

- معرفتِ باری تعالیٰ
- وجودِ باری تعالیٰ
- توحیدِ باری تعالیٰ
- صفاتِ باری تعالیٰ
- توحید کی تعلیم کی دو بنیادی اغراض
- حقوقِ باری تعالیٰ

پہلا باب: اللہ تعالیٰ پر ایمان

سوال 15: اللہ جل شانہٗ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اس ذات کا نام ہے، جو یکتا ہے اور تمام اچھی صفات اور خوبیاں اس میں ہیں۔ ذات، صفات اور عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس نے تمام جہانوں کو پیدا کیا، اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، جس کو چاہتا ہے اپنے اختیار سے پیدا فرما دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فنا فرما دیتا ہے۔ دنیا کی تمام باتیں اس کے اختیار وارادے سے ہوتی ہیں، وہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا ہے، وہی سب کو رزق دیتا ہے، وہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ذلّت دیتا ہے، زندگی اور موت اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے۔

❑ معرفتِ باری تعالیٰ

سوال 16: کیا انسان اللہ جل شانہٗ کی ذات کو سمجھ سکتا ہے؟

جواب: اللہ جل شانہٗ کی حقیقت کا علم انسان کی طاقت اور اس کے بس سے باہر ہے، بڑے سے بڑا عقلمند اور صاحبِ علم بھی اللہ جلّ شانہٗ کی حقیقت اور ذات تک نہیں پہنچ سکتا ہے، ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی صفاتِ کمالیہ سے پہچانتے ہیں۔

❑ وجودِ باری تعالیٰ

سوال 17: اللہ تعالیٰ موجود ہے، لیکن بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں ہے، لہٰذ وجود باری تعالیٰ پر کوئی عقلی دلیل بھی بیان کر دیں۔

جواب: ان لوگوں کا مذکورہ عقیدہ ظاہر ہے کہ کسی بھی عقلمند آدمی کے لئے قابلِ توجہ نہیں ہوسکتا، ذرا سوچنے کی بات ہے کہ معمولی سا کام بھی بغیر کرنے والے کے نہیں ہوسکتا، تو اتنا بڑا کارخانۂ عالم، جس میں دن بھی ہوتا ہے اور رات بھی، بارش بھی ہوتی ہے اور خشک سالی بھی، غرض ایک نظام ہے جو بے داغ ہونے کے علاوہ نہایت منظّم اور شاندار ہے، خود بخود کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ اور خود بخود کیسے چل سکتا ہے؟ لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ اسے کسی نے بنایا ہے اور بنانے کے بعد منظّم طور پر اس کو چلا رہا ہے، یہی عالم کو بنانے اور چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ عرب کے ایک دیہاتی سے پوچھا گیا کہ تو نے للہ تعالیٰ کے وجود کو کیسے پہچانا؟ تو س انے کہا:

”اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِيْرِ اَلْاَثَرُ
يَدُلُّ عَلَی الْمَسِيْرِ فَالسَّمَاءُ
ذَاتُ الْاَبْرَاجِ وَالْاَرْضُ
ذَاتُ الْفِجَاجِ كَيْفَ لَا يَدُلَّانِ
عَلَی اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ“

یعنی: اونٹ کی مینگنی دیکھ کر یہ معلوم ہوجاتا ہے، کہ یہاں سے کوئی اونٹ گیا ہے، اور نشانِ قدم دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہاں

سے کوئی گذرنے والا گذرا ہے، تو یہ بڑے بڑے چاند، سورج
اور ستاروں والا آسمان، یہ کشادہ اور وسیع راستوں والی زمین،
ضرور اللہ کے موجود ہونے کی خبر دیتی ہے۔

دیکھئے! یہ عام سادیہاتی کوئی عالم، فاضل اور محقق نہیں، مگر یہ بھی معمولی غور وفکر سے اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا جان لیتا ہے، تو وہ لوگ جو اس قدر واضح نشانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہوں، ان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔

❑ توحیدِ باری تعالیٰ

سوال 18: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہیں؟

ا ب: خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اپنی وحدانیت بیان فرمائی ہے، (اور ہمارے لئے یہی دلیل کافی ہے) چنانچہ فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

یعنی کہدو کہ وہ اللہ ایک ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾

"یعنی: اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے، جو رحمان اور رحیم ہے۔"

سوال 19: بعض لوگ اللہ کے وجود کو تو مانتے ہیں، مگر ایک سے زیادہ معبودوں کا عقیدہ

جواب: ایک سے زیادہ معبود ہونا، عقل وفطرت دونوں کے خلاف ہے، ذرا سوچئے تو کہ اس دنیا میں ایک چھوٹے سے ملک کو بھی بیک وقت دو آدمیوں کی حکمرانی یا بادشاہت نہیں چلا سکتی، تو اتنے بڑے عالم میں خداوند قدوس کے ساتھ، اس کی خدائی میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہوسکتا ہے؟ کیونکہ دو خدا ہونے کی صورت میں یا تو دونوں میں ہمیشہ اتفاق رہتا، یا اختلاف ہوتا، ہمیشہ اتفاق ہونے کی صورت میں دوسرے خدا کی حاجت نہیں، کیونکہ جب ایک کا فعل وارادہ کافی ہوگیا تو دوسرے کی کیا ضرورت؟ جب دوسرے کی ضرورت نہیں، تو دوسرا زائد اور معطل ہوگیا اور معطل ہونا شانِ خداوندی کے خلاف ہے، لہٰذا معلوم ہوگیا کہ دو خدا نہیں ہوسکتے۔ اور اگر دونوں میں اختلاف ہو مثلاً ایک نے زید کو موت دینے کا ارادہ کیا، اور دوسرے نے اسی وقت میں اس کو زندگی دینے کا ارادہ کیا، تو ضروری ہے کہ اس ایک وقت میں یا تو زید کو موت آئے یا زندگی ملے، دونوں باتیں بیک وقت نہیں ہوسکیں گی، لہٰذا اگر زید کو موت نے آلیا تو دوسرا خدا جس نے زید کی زندگی کا فیصلہ کیا تھا، وہ عاجز ہوگیا اور عاجز ہونا خدا کی شان کے خلاف ہے، اور اگر اس وقت میں زید کو زندگی ملی، تو دوسرا خدا جس نے زید کی موت کا فیصلہ کیا تھا، وہ عاجز ہوگیا اور عاجز خدا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ ایک ہی ہے، دو نہیں ہوسکتے اور خدائی میں شرکت محال ہے۔ مشرکین کیلئے یہی مذکورہ عقلی دلیل اللہ جلّ شانہ نے بھی قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے

ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

یعنی ''اگر آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا بہت سے معبود ہوتے، تو نظامِ عالم بگڑ جاتا'' حالانکہ نظام نہیں بگڑا، جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدائی میں کوئی شریک نہیں۔

❑ صفاتِ باری تعالیٰ

سوال 20: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کون کونسی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ بہت سی ہیں، ان میں سے چند صفاتِ کمالیہ (یعنی اچھی اچھی صفات) یہ ہیں:

1. حدت: یعنی خداوند قدوس اپنی ذات میں بھی یکتا ہے اور صفات میں بھی یکتا ہے، نہ اس کا ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ صفات میں۔
2. قدم: یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ اس کی ابتدا ہے، نہ اس کی انتہا ہے۔
3. حیات: یعنی زندگی، خدا تعالیٰ زندہ ہے اور زندہ ہی رہے گا، زندگی کی صفت اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ ثابت ہے۔
4. قدرت: قدرت کے معنی طاقت کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت اور طاقت حاصل ہے، وہ تمام عالم کو پیدا کرنے پھر قائم رکھنے پھر فنا کردینے پھر دوبارہ موجود کردینے پر قادر ہے، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

5. علم: علم کے معنی ''جاننے'' کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا عالم یعنی جاننے والا ہے، اس کے علم سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز باہر نہیں، ہر ہر ذرہ تک اس کے علم میں ہے، ہر چیز کو اس کے موجود ہونے سے پہلے اور فنا ہونے کے بعد بھی جانتا ہے، انسان کے دل میں آنے والے خیالات اور اندھیری رات میں چلنے والی چیونٹی کے پاؤں کی حرکت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، علمِ غیب (یعنی پوشیدہ باتوں کا علم) خدا تعالیٰ ہی کی خاص صفت ہے۔

6. ارادہ: ارادہ کے معنی اپنے اختیار سے کام کرنا، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے، اپنے اختیار سے پیدا فرما دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے ارادہ سے فنا فرما دیتا ہے۔ تمام عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے اختیار و ارادہ سے ہوتا ہے، وہ کسی بات میں مجبور و لاچار نہیں ہے۔

7. سمع وبصر: سمع کے معنی سننا اور بصر کے معنی دیکھنا ہے، اللہ تعالیٰ بغیر کان وآنکھ کے سنتا اور دیکھتا ہے، اس کے لیے اندھیرا، اجالا، دور اور نزدیک سب دیکھنے اور سننے میں برابر ہے۔

8. کلام: کلام کے معنی بولنا، یعنی اللہ تعالیٰ بغیر زبان کے بولنے والا ہے، اسے کلام میں زبان کی حاجت نہیں، کیونکہ محتاج ہونا مخلوق کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ محتاجگی سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت ہمیں نہیں معلوم۔

تنبیہ: یہ بات خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفتوں سے

صفت کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم اور حدیث شریف میں جو اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات کا ذکر ہے مثلاً دیکھنا، سننا، بولنا، ہاتھ یا قدم وغیرہ، تو ایسی باتوں پر ایمان لانے کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھنا چاہیے کہ ان کی اصل حقیقت اور مراد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہماری عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے، ہم ان کی اصل حقیقت سمجھے بغیر اجمالاً ان پر ایمان لاتے ہیں۔

9. تخلیق: تخلیق کے معنی پیدا کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوقات کو پیدا فرمانے والا ہے، مخلوقات کو پیدا فرمانے میں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

10. حیاء واماتت: احیاء کے معنی زندہ کرنے اور اماتت کے معنی موت دینے کے ہیں، یعنی زندگی دینا اور مار ڈالنا، اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار وارادے سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی زندگی یا موت دینے والا نہیں۔

11. رزّاق: اس کے معنی روزی دینے والی ذات، یعنی روزی دینے اور اس میں کمی بیشی کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کے علاوہ کسی کے قبضہ واختیار میں روزی دینا یا کمی بیشی کرنا نہیں ہے۔

❑ توحید کی تعلیم کے دو بنیادی اغراض

سوال **21**: اسلام نے جو توحید کی تعلیم دی ہے اس کی بنیادی اغراض کیا ہیں؟

جواب: توحید کی تعلیم کے دو بنیادی اغراض ہیں:

(1) یک یہ کہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہے، اس لیے کسی مخلوق کے سامنے اس کا سر نہ جھکنا چاہیے

(2) دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، ہر قسم کی قدرت اور تمام خوبیاں صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لیے ہیں جو ماورائے عرش سے زیرِ فرش تک ہر ذرہ پر حکمران ہے، اس کی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں، انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اٹھ کر صرف اسی کے آستانہ پر جھکنا چاہیے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدیں، ہماری تمام دعائیں، ہماری تمام التجائیں، ہماری تمام عاجزیاں صرف ایک درگاہ پر نثار ہوں اور اسی کے رحم و کرم کے سہارے ہماری زندگی کا ہر لمحہ بسر ہو۔ (سیرت النبیؐ: 263/4)

❑ حقوقِ باری تعالیٰ

سوال 22: بندہ کے ذمہ اللہ جل شانہ کے کون کون سے حقوق ہیں؟

جواب: **(1)** اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق قرآن و حدیث کے موافق اپنا عقیدہ رکھنا۔

(2) عقائد، اعمال و معاملات اور اخلاق میں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوں ان کو اختیار کرنا اور جو ان کو ناپسند ہوں اسے ترک کر دینا۔

(3) اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کو سب کی رضا و محبت پر مقدم رکھے۔

(4) کسی سے محبت یا بغض رکھنا یا کسی کے ساتھ احسان کرنا یا نہ کرنا یہ سب اللہ جل شانہٗ کے لیے ہو۔ (حقوق الاسلام: تھانویؒ)

دوسراباب: ملائکہ پر ایمان

- فرشتوں کی حقیقت
- فرشتوں کی تعداد
- فرشتوں کے نام
- فرشتوں کے کام
- فرشتوں پر ایمان کی تعلیم کے دو بنیادی مقاصد
- فرشتوں کے حقوق

دوسرا باب: ملائکہ پر ایمان

❑ فرشتوں کی حقیقت

سوال **23:** فرشتے کون ہیں؟

جواب: فرشتے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہیں جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں، یہ کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، جس کام میں لگادیے گئے ہیں، اسی میں لگے رہتے ہیں، یہ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں، یہ نہ مرد ہیں اور نہ عورت۔ ایک مؤمن کے لیے جس طرح بن دیکھے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نورانی مخلوق فرشتوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

سوال **24:** کیا فرشتے انسانی شکل یا دوسری شکل میں آسکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنی شکل کے علاوہ کسی دوسری شکل میں ظاہر ہوجائیں، چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت مریمؑ اور حضرت لوطؑ کے قصّوں میں مذکور ہے کہ فرشتے انسانی شکل میں ان کے پاس آئے تھے۔

❑ فرشتوں کی تعداد

سوال **25:** فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: فرشتوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں معلوم۔

فرشتوں کے نام

سوال 26: کیا فرشتوں کے نام بھی ہیں؟

ا ب: جی ہاں! فرشتوں کے نام بھی ہیں، چند نام اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بھی بتائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

﴿1﴾ حضرت جبرئیلؑ ﴿2﴾ حضرت میکائیلؑ
﴿3﴾ حضرت اسرافیلؑ ﴿4﴾ حضرت عزرائیلؑ
﴿5﴾ حضرت مالکؑ ﴿6﴾ حضرت رضوانؑ
﴿7﴾ حضرت منکر نکیرؑ ﴿8﴾ ہاروت و ماروتؑ۔

فرشتوں کے کام

سوال 27: کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذمّہ کام لگا رکھے ہیں؟

ا ب: جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بہت سے کام سپرد کیے ہیں مثلاً حضرت جبرئیلؑ کو (جو تمام فرشتوں کے سردار ہیں) اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لے جانے کی ذمہ داری سپرد فرمائی ہے اور اللہ کے حکم سے بندوں کی ضروریات پوری کرنا بھی انہی کے سپرد ہے اور حضرت میکائیلؑ بارش برسانے اور سبزہ لگانے پر مامور ہیں اور حضرت اسرافیلؑ قیامت کے دن صور پھونکیں گے، جبکہ حضرت عزرائیلؑ روح قبض کرنے پر مأمور ہیں اسی طرح جنت اور جہنم کی دربانی پر بھی فرشتے مقرر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی حفاظت پر بھی کچھ فرشتوں کو مامور فرمایا ہے، جو

ہیں، جن کو کراماً کاتبین کہاجاتا ہے، پھر کچھ فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

فرشتوں پرایمان کی تعلیم کے دو بنیادی مقاصد

سوال 28: اسلام نے فرشتوں پر ایمان لانے کی جو تعلیم دی ہے اس کے بنیادی مقاصد کیا ہیں؟

جواب: اس کے دو بنیادی مقاصد ہیں:

(1) ایک یہ کہ اسلام سے پہلے بت پرست اقوام اور دوسرے اہلِ مذاہب میں ان فرشتوں کو خدائی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اس غلط عقیدہ کو مٹا کر یہ حقیقت ظاہر کی جائے کہ ان کی حیثیت بے اختیار محکوم بندہ کی ہے جب تک اس کی وضاحت نہ ہوتی، کلمۂ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی۔

(2) دوسرا مقصد یہ ہے کہ مادہ کی خاصیتیں دیکھ کر مادہ پرست جوان مادی خاصیتوں اور طبیعتوں کی بالذات کارفرمائی کا یقین کرتے ہیں، اس کا ازالہ کیا جائے، کیونکہ یہی پتھر ان کی ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے اور بالآخر خدا کے انکار تک ان کو لے جاتا ہے، درحقیقت ان مادی خاصیتوں اور طبیعتوں پر روحانی اسباب مسلط ہیں۔ جو خدا کے حکم سے اس کے مقررہ اصول کے مطابق نظامِ عالم کو چلارہے ہیں، مادہ اور اس کی خاصیتیں بالذات مؤثر نہیں، بلکہ کوئی دوسرا ہے جو ان کو مؤثر بناتا ہے، اس عقیدہ سے مادیت کا بت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے۔ (سیرت النبیؐ: 312/4)

❏ فرشتوں کے حقوق

سوال 29: فرشتوں کے کچھ حقوق بیان کریں۔

جواب: (1) ان کے وجود کا اعتقاد رکھنا۔

(2) ان کو گناہوں سے پاک سمجھنا۔

(3) جب ان کا نام آئے تو ''علیہ السلام'' کہنا۔

(4) مسجد میں بدبودار چیز کھا کر جانے سے یا مسجد میں ہوا خارج کرنے سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے احتیاط کرنا۔

(5) تصویر رکھنے اور بلا ضرورت شرعی کتا پالنا، جھوٹ بولنا، جنابت میں پڑا رہنا یا بلا ضرورت شرعی یا طبعی برہنہ ہونا خواہ تنہائی میں ہو، ان سے سب احتیاط کرنا۔ (حیات المسلمین: روح نہم)

تیسرا باب: آسمانی کتابوں پر ایمان

- آسمانی کتابوں کی ضرورت
- آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب
- مشہور آسمانی کتابیں
- آسمانی کتابوں کی موجودہ حالت
- قرآن کریم کی حقیقت وعظمت
- آسمانی کتابوں کے بارے میں اسلام کی تعصب سے پاک تعلیم
- قرآن کریم کے حقوق

تیسرا باب: آسمانی کتابوں پر ایمان

آسمانی کتابوں کی ضرورت

سوال **30:** آسمانی کتابوں کی ضرورت پر روشنی ڈالیں۔

جواب: دنیا میں یہ قاعدہ اور طریقہ ہے کہ کسی بھی حکومت کا انتظام چلانے کے لیے کچھ دستور اور قانون بنائے جاتے ہیں، جیسے جرائم پر سزا کا قانون، فوجداری اور عائلی قانون، تجارت اور معیشت کے قانون۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی جو بادشاہوں کا بادشاہ اور احکم الحاکمین ہے اور تمام عالم ان کی مخلوق ومملوک ہے اپنے بندوں کے لیے ایسے قوانین اور ضابطے بھیجنے کی ضرورت تھی جن کی پیروی کرکے بندے اپنے خالق ومالک کی اطاعت وفرمانبرداری بجالاسکیں، چنانچہ یہ قوانین الٰہی حضرات انبیائے کرامؑ کے واسطہ سے وقتاً فوقتاً اُمتوں پر بصورتِ کتاب یا بصورتِ صحیفے اتارے جاتے رہے، جن پر سب کو عمل کرنا واجب تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ پر آخری کتاب قرآن کریم اتاری گئی۔

آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب

سوال **31:** آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

اب: جس طرح اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں پر اور فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ان تمام کتابوں پر بھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمائی ہیں، یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ یہ کتابیں بھی

سچی ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص ان آسمانی کتابوں پر یا ان میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لائے گا تو کافر ہو جائے گا۔

❑ مشہور آسمانی کتابیں

سوال 32: کون کونسی کتابیں کن کن پیغمبروں پر اتاری گئیں؟

جواب: حضرت آدمؑ سے لے کر ہمارے نبی پاک ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں، جیسے تورات حضرت موسیٰؑ پر، زبور حضرت داوٗدؑ پر، انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اور قرآن کریم حضرت محمد ﷺ پر اس کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں انبیاء پر اتاری گئیں، جنہیں ''صحیفے'' کہا جاتا ہے مثلاً دس صحیفے حضرت آدمؑ پر، پچاس صحیفے حضرت شیثؑ پر، تیس صحیفے حضرت ادریسؑ پر اور دس یا تیس صحیفے حضرت ابراہیمؑ پر۔

❑ آسمانی کتابوں کی موجودہ حالت

سوال 33: کیا یہ کتابیں (تورات، زبور اور انجیل وغیرہ) تا حال اپنی اصلی تعلیمات کے ساتھ موجود ہیں؟

جواب: چونکہ قرآن کریم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی، اس لیے یہ کتابیں تحریف سے محفوظ نہ رہ سکیں، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے ان میں اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق تحریف کر ڈالی، اس لیے ہمارا عقیدہ ان کُتب کے بارے میں یہ ہونا چاہیے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر نازل فرمائی تھی، بعد کے زمانے میں ان میں تحریف ہوگئی اور قرآن کریم کے نازل ہونے کے بعد ان کُتب کی پیروی جائز نہیں۔

قرآن کریم کی حقیقت وعظمت

سوال34: قرآن کریم کے بارے میں اسلامی عقیدہ کیا ہے؟

ج اب: قرآن کریم کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو ہے جو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر حضرت جبرئیلؑ کے واسطہ سے تئیس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا، قرآن کریم ایسا معجزہ ہے کہ جس کی نظیر قیامت تک کوئی نہیں بنا سکتا، قرآن کریم نے پہلی تمام آسمانی کتابوں کے احکام منسوخ کردیے ہیں، قرآن کریم قیامت تک کے انسانوں کے لیے راہِ ہدایت، دستورُ العمل اور ضابطۂ حیات ہے، قرآن کریم میں بہت سے احکام اجمالاً یا تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں پھر ان کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل (حدیث وسنت) سے فرمائی ہے اور قرآن کریم کے علاوہ بھی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق احکام بتائے ہیں، ان سب کو ماننا اور ان سب پر عمل کرنا لازم ہے۔

قرآن کریم میں قیامت تک تحریف نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قرآن کریم اسی طرح موجود ہے، جس طرح حضور پاک ﷺ پر نازل ہوا تھا، اس کے زبر، زیر اور پیش تک میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہوگی، اسی لیے اس کی کسی سورت آیت اور لفظ بلکہ حرف تک کا انکار کرنا کفر ہے۔

سوال35: آپ بتا رہے ہیں کہ قرآن کریم تئیس برس میں اترا جبکہ ہم نے پڑھا ہے کہ قرآن کریم شبِ قدر میں نازل کیا گیا ہے۔

پہلے آسمان پر پورے کا پورا، بیک وقت رمضان المبارک کی ایک ہی رات، شبِ قدر میں نازل ہوا، اسی کو قرآن کریم میں فرمایا: ”إِنَّـا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْـقَـدْرِ“ پھر اس کے بعد پہلے، آسمان سے دنیا میں حضرت محمد ﷺ پر تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت تئیس (23) سال میں نازل ہوا۔

سوال 36: کیا قرآن کریم اسی ترتیب سے ہمارے نبی پاک ﷺ پر نازل ہوا تھا جس ترتیب سے آج موجود ہے؟

جواب: قرآن کریم کے اترنے کی ترتیب جدا تھی اور لکھنے کی ترتیب جدا، اترنے کی ترتیب وہ نہیں جو آج ہے، اور قرآن کریم کی موجودہ ترتیب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، چنانچہ جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو حضرت جبرئیلؑ ہمارے نبی پاک ﷺ کو بتادیتے کہ اس آیت یا سورت کو فلاں آیت یا سورت کے بعد لکھ دیں اور آنحضرت ﷺ اسی ترتیب کے مطابق صحابہ کرامؓ کو لکھوادیتے، اس طرح قرآن کریم کی موجودہ ترتیب سامنے آئی اور یہ وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے قرآن کریم لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔

❑ آسمانی کتابوں کے بارے میں اسلام کی تعصب سے پاک تعلیم

سوال 37: انبیاء اور رسولوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر ایمان لانے کے متعلق اسلام اور دیگر اقوام میں کیا کیا فرق ہیں؟

[illegible]

ہے جو ان کے نبی پر نازل ہوئی اس کے علاوہ کوئی کتاب درست اور معتبر نہیں۔

یہود توراۃ کے سوا کچھ نہیں مانتے، عیسائی انجیل کی اخلاقی نصیحتوں کے علاوہ کسی حکم کو نہیں مانتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن ویدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اسلام نے کتابوں پر ایمان لانے کے اعتبار سے یہ تنگ نظری ختم کر دی اور رواداری اور تعصب سے پاک یہ تعلیم دی کہ آسمان سے اترنے والی تمام کتابیں اور صحیفے حق اور سچ تھے۔

اور مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانب اللہ نہ تسلیم کریں جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

جبکہ یہودی اپنی کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار کر کے بھی نجات کا منتظر رہ سکتا ہے، عیسائی توراۃ اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہوسکتا ہے، پارسی اوستا کے سوا دوسری کتابوں کو باطل مان کر بھی مینو (جنت) کا استحقاق پیدا کرسکتا ہے، ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتاب کو دجل وفریب مان کر بھی آواگون سے نجات حاصل کرسکتا ہے، بدھمت والے اپنے سوا تمام دنیا کی وحیوں کا انکار کر کے بھی نروان کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں۔

الغرض اسلام کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ صرف قرآن ہی ایک اکیلی ہدایت کی کتاب ہے اس کے علاوہ نہ کوئی کتاب تھی نہ کوئی ہدایت تھی سب ضلالت وگمراہی تھی بلکہ اسلام کا دعویٰ یہ ہے

میں سب ناقص ہیں یعنی وہ ابدی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتوں میں سب نبی لے کر آتے رہے اور ان کے پیرو کار اپنی تاویلات وتحریفات وتصرفات اور اختلافات سے اس کو برباد کرتے رہے اسی کو لے کر آخری دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ آئے اور اب وہ کتاب ہدایت ہمیشہ کامل ومکمل رہے گی پھر کبھی ناقص نہ ہوگی کہ اس کا صحیفہ ہدایت (قرآن) تحریف واختلاف و تصرف سے محفوظ وپاک رہے گا۔ (سیرت النبیؐ:367/4)

❑ قرآن کریم کے حقوق

سوال **38**: قرآن شریف کے کتنے اور کون کون سے حقوق ہیں؟

جواب: قرآن شریف کے یہ حقوق ہیں:

(1) سیکھنا **(2)** پڑھتے رہنا **(3)** سمجھنا

(4) عمل کرنا **(5)** ادب کرنا **(6)** پھیلانا

(حقوق الاسلام: تھانویؒ)

چوتھا باب: انبیائے کرامؑ پر ایمان

- ❑ نبوت ورسالت کی حقیقت
- ❑ نبی ورسول میں فرق
- ❑ انبیاء کرامؑ کی حقیقت
- ❑ انبیاء کرامؑ کی تعداد
- ❑ انبیاء کرامؑ کے بارے میں اسلام کی تعصب سے پاک تعلیم
- ❑ معجزات کی حقیقت ونوعیت
- ❑ خاتم النبیین
- ❑ معجزات النبی ﷺ
- ❑ حیات النبی ﷺ
- ❑ ختم نبوت کا معنیٰ، مطلب واہمیت
- ❑ حقوق النبی ﷺ
- ❑ صحابہ کرامؓ، صحابیت، خصوصیات، درجات، مشاجرات
- ❑ صحابہ کرامؓ کے حقوق

چوتھا باب: انبیائے کرامؑ پر ایمان

❑ نبوت ورسالت کی حقیقت

سوال **39:** نبوّت یا رسالت کسے کہتے ہیں؟

ج: یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں بندوں کے لیے اپنے احکام نازل فرمائے ہیں اور بندوں تک یہ احکام پہنچانے کے لیے کچھ خاص لوگوں کو منتخب فرمایا، ان خاص لوگوں کو جو احکامِ الٰہی بندوں تک پہنچانے کی ذمّہ داری دی گئی، یہ ذمّہ داری نبوّت اور رسالت کہلاتی ہے اور یہ خاص بندے نبی اور رسول کہلاتے ہیں۔ چونکہ رسول اور نبی اللہ کے خاص اور مقرّب بندے ہوتے ہیں، اس لیے ان پر ایمان لانا، ان کی تعظیم اور اطاعت کرنا فرض ہے اور ان کا انکار یا توہین کرنا کفر ہے۔

❑ نبی ورسول میں فرق

سوال **40:** کیا نبی اور رسول میں کوئی فرق ہے، یا دونوں ایک ہی ہیں؟

ج: جی ہاں! نبی اور رسول میں فرق ہے، چنانچہ نبی اس مقدّس و معصوم ہستی کا نام ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہو اور انہیں معجزات عطا کیے ہوں جبکہ رسول اس محترم اور معصوم ہستی کو کہا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بندوں کے پاس پہنچانے کے لیے بھیجا ہو۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ [illegible])

انبیاء کرامؑ کی حقیقت

سوال 41: انبیاء کرامؑ کے بارے میں اسلامی عقیدہ کیا ہے؟

ج: ہر مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ اجمالاً تمام انبیاء کرامؑ پر ایمان لائے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ:

1. انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ کے مقرّب و محترم بندے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوّت ورسالت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔
2. تمام انبیاء کرامؑ صدق، امانت اور علم وحکمت میں تمام مخلوقات سے بلند وبرتر ہیں۔
3. تمام انبیاء کرامؑ ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں، خصوصاً کفر وشرک سے معصوم ہیں اور ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوّت ملنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی حفاظت فرمائی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نبوت اور رسالت ایسا جلیل القدر منصب ہے کہ جس سے تمام انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی امّت کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے نبی کے ہر قول وفعل میں پیروی کریں، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ اور ناپسندیدہ بات کی پیروی کا حکم نہیں دیتے، اس لیے ضروری ہے کہ تمام انبیاء کرام گناہوں سے معصوم اور پاک ہوں۔
4. تمام انبیاء کرامؑ بشر اور پاک ترین انسان ہیں، ان کی ہستیاں فرشتوں سے علیٰحدہ ہیں، چونکہ وہ بشر تھے اس لیے بشری تقاضے بھی پورے کرتے تھے، ان کی بیویاں اور اولاد بھی تھیں اور وہ کھاتے پیتے اور سوتے بھی تھے۔

5. جس طرح تمام انبیاء کرامؑ پر اور ان پر نازل کردہ کُتب پر اور معجزات پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح اس بات پر ایمان رکھنا بھی لازم ہے تمام انبیاء کرامؑ نے فریضۂ دعوت وتبلیغ بحسن وخوبی مکمل طور پر انجام دیا ہے اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔

❑ انبیاء کرامؑ کی تعداد

سوال 42: اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کتنے پیغمبر مبعوث فرمائے ہیں؟

اب: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے لے کر ہمارے نبی پاک ﷺ تک بہت سے پیغمبر اس دنیا میں بھیجے ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ قرآن کریم اور احادیث شریف میں بھی ہے اور بعض روایات میں اگرچہ تمام انبیائے کرامؑ کی تعداد سوا لاکھ اور بعض میں سوا دو لاکھ آئی ہے مگر بہتر یہی ہے کہ انبیائے کرامؑ کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جائے اور اجمالاً تمام انبیائے کرام پر ایمان رکھا جائے۔

❑ انبیاء کرامؑ کے بارے میں اسلام کی تعصب سے پاک تعلیم

سوال 43: اسلام اور دیگر اقوام کے تصورِ رسالت ونبوت میں کیا کیا فرق ہیں؟

اب: پہلا فرق: اسلام سے پہلے دنیا کی ہر قوم کا یہ نظریہ تھا کہ وہی اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری قوم ہے، تمام دنیا کی قوموں میں منصبِ ہدایت اور رہنمائی کے لیے انہی کا انتخاب ہوا ہے بقیہ تمام قومیں اس منصب سے محروم ہیں۔

چنانچہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف ہمارے خاندان کا ورثہ ہے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے، آریہ ورت کا دعویٰ تھا کہ خدا کی بولی صرف انہیں کے رسولوں اور نبیوں نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے۔

سلام نے نبوت و رسالت متعلق اس تنگ نظری کو ختم کیا اور یہ تعلیم دی کہ کوئے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہ دکھانے والے پیغمبر یا نائبِ پیغمبر بن کر آئے اور یہ سلسلہ حضور ﷺ کی بعثت تک برابر جاری رہا۔

دوسرا فرق: ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زرتشتی تمام عالم کو بحر ظلمات کہہ کر بھی نورانی رہ سکتا ہے اور وہ جناب ابراہیم، جناب موسیٰ اور جناب عیسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن اسلام نے یہ ناممکن کر دیا ہے کوئی شخص جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا دعویٰ کرے اور ان سے پہلے کے کسی پیغمبر کا نکار بلکہ کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا جب تک اس سے پہلے وہ موسوی، عیسوی، سلیمانی اور داؤدی نہ بن جائے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے اور یہ یقین نہ کرے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز فرمایا ہے، ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا اللہ کا ماننا۔

تیسرا فرق: اسلام سے پہلے نبوت و رسالت کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہود پیشین گوئی کرنے والے کو نبی کہتے تھے، عیسائیوں کا معاملہ بھی ایسا ہی

کی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، اسلام نے آ کر نبوت و رسالت کے منصب کی حقیقت ظاہر کی اور اس کے فرائض و خصوصیات کو کھول کھول کر بتایا۔

سوال 44: اسلام نے دیگر اقوام کے مقابلہ میں انسانیت کو جو رسالت و نبوت کا تصور دیا اس کے کیا فوائد اور نتائج برآمد ہوئے؟

ج: اسلام کی اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی جو پرانی داستان فراموش ہوگئی دنیا کی قومیں ایک سطح پر آگئیں اور مساوات کا راستہ صاف ہوگیا، انسانی اخوت اور تمام پیغمبروں کے لیے ادب و احترام کے جذبات پیدا ہوگئے۔ (سیرت النبیؐ: 344/4)

معجزات کی حقیقت و نوعیت

سوال 45: معجزہ کسے کہتے ہیں؟

ج: کسی نبی یا رسول کے ہاتھوں (نبوت کے برحق ہونے کو ثابت کرنے کے لیے) ظاہر ہونے والی وہ عجیب و غریب بات جو عام معمول کے خلاف اور ظاہری اسباب کے بغیر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔

سوال 46: کیا تمام پیغمبروں کو معجزے دیے گئے ہیں؟

ج: جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو بھی دنیا میں رسول بنا کر بھیجا جو اس کو معجزے بھی دیے تا کہ لوگوں کے سامنے ان کا پیغمبر ہونا واضح طور پر ثابت ہو جائے، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ کا ٹھنڈا ہونا، حضرت صالحؑ کے لیے حاملہ اونٹنی کا پہاڑ میں سے پیدا ہونا، حضرت داؤدؑ کے لیے لوہے کا موم کی طرح نرم ہونا، حضرت سلیمانؑ کے لیے جنات اور ہواؤں کا تابعدار ہونا،

حضرت موسیٰؑ کے لیے لکڑی کا اژدھا بن جانا اور بغل میں دست مبارک دے کر باہر نکالنے سے ہاتھ کا چمکدار ہونا، حضرت عیسیٰؑ کا بحکم الٰہی مُردوں کو زندہ کرنا اور مادرزاد نابینا کی بینائی بحکم الٰہی دست مبارک پھیر کر لوٹا دینا وغیرہ وغیرہ۔

❑ خاتم النبیین

سوال **47:** نبی کریم ﷺ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا ضروری ہے؟

اب: آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہر مؤمن کے مندرجہ ذیل عقائد ہونا ضروری ہیں:

1. آپ سید الانبیاء والمرسلین ہیں، آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے اور نبوّت کی گواہی دیے بغیر کسی شخص کا ایمان درست نہیں ہوسکتا۔
2. قیامت کے دن کی ہولناکی سے جب ساری خلقت ہیبت زدہ ہوگی اور انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس شفاعت کرنے کی درخواست لے کر جائے گی تو سب انبیائے کرامؑ معذرت کرلیں گے تو آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے، جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب شروع ہوگا۔
3. آپ ﷺ کی امّت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی۔
4. قیامت کے دن لِواءُ الحمد آپ ﷺ کے دست مبارک میں ہوگا۔
5. آپ ﷺ ہی مقامِ محمود اور حوضِ کوثر سے نوازے جائیں گے۔
6. افضل الخلائق: آنحضرت ﷺ تمام مخلوقات میں افضل ترین اور اللہ کے محبوب ومقبول ترین بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ قابل

احترام ہیں افضلیت میں کوئی فردِ مخلوق آپ ﷺ کے برابر تو کیا قریب بھی نہیں۔

7. رسالت کا عام ہونا: آنحضرت ﷺ قیامت تک کے آنے والے تمام لوگوں کے لیے اور ہر زمانے کے لیے رسول ہیں

8. آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے نبوّت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہوئے جیسے مسیلمہ کذّاب اور مرزا غلام احمد قادیانی (لعنۃ اللّٰہ علیھم) جو خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے ساتھ لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

9. رحمت وہدایت: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت اور باعثِ ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔

10. وجوبِ اطاعت: آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی نافرمانی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

11. محبت: اپنے ماں باپ آلِ اولاد، بھائی بہن اور مال و دولت وغیرہ سب کے مقابلہ میں، سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے (عقلی) محبت ہونا ایمان کا تقاضہ ہے۔

12. درود کی کثرت: آنحضرت ﷺ پر کثرت سے درود شریف بھیجنا مستحب اور نہایت عظیم عبادت ہے۔

13. بشریت: آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے، کامل ترین انسان اور پاک ترین بشر ہیں، آپ ﷺ فرشتے یا نور نہیں ہیں بلکہ دیگر اولادِ آدم کی طرح آپ ﷺ بھی حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے تھے، یہی اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے

کچھ لوگ اہلِ سنت والجماعت کے اس عقیدے کے برخلاف آنحضرت ﷺ کو ذات کے اعتبار سے بشر یعنی انسان کے بجائے (معاذ اللہ تعالیٰ) نور مانتے ہیں، ان کا یہ عقیدہ قرآن وسنت دونوں کے خلاف ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ خداوند ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى إِلَيَّ اَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

یعنی: (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ فرما دیجیے کہ میں تمہارے جیسا انسان ہی ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ارشاد نبوی ہے کہ:

﴿إِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ﴾ (بخاری:40)

یعنی: میں تو تمہاری طرح ہی انسان ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو مجھ سے بھی بھول ہوتی ہے۔

لہٰذا قرآن وحدیث سے ثابت ہوا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ کامل ترین انسان اور پاک ترین بشر ہیں اور اعلیٰ ترین منصب یعنی منصبِ نبوّت ورسالت پر فائز ہیں، آپ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ نور سے پیدا ہوئے، یعنی آپ ﷺ بشر نہ تھے، جاہلانہ بات ہے، یہی عقیدہ رکھنے والے آپ ﷺ کو نور قرار دے کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ کا کمال ہے لیکن اگر معمولی غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسمانی طور پر بشر ہونا ہی انتہائی کمال ہے۔

14 معراج: ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک ﷺ کو

بیداری کے عالم میں یعنی جاگتے جسمِ اطہر کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر مسجد اقصیٰ سے ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی اور رات ہی میں آپ ﷺ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے یہ سیر جنت کی ایک سواری ''براق'' پر فرمائی جس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نظر پڑتی تھی۔

15. علم الاولین والاخرین ہمارے نبی جناب رسول اللہ ﷺ کو تمام مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے تھے، مخلوق میں سے کوئی بھی ان علوم تک نہیں پہنچ سکتا، تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کو ہر زمانے میں پیش آنے والے ہر ہر واقعہ کی اطلاع بھی ہو کیونکہ کسی واقعہ کا آپ ﷺ کے مشاہدے سے غائب ہونا، آپ ﷺ کی علمی وسعت اور علمی افضلیت میں نقصان پیدا نہیں کرتا، جیسا کہ حضرت سلیمانؑ سے وہ بات مخفی رہی جس سے ہدہد کو آگاہی حاصل ہوئی مگر اس سے حضرت سلیمانؑ کی افضلیت اور زیادہ علم والا ہونے میں کوئی نقصان نہیں آیا۔

سوال 48: کیا حضور اکرم ﷺ کو علم غیب بھی تھا؟

جواب: علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے، یہ صفت کسی مخلوق کو حاصل نہیں، اگر کوئی شخص (بلاتاویل) یہ صفت کسی مخلوق کے لیے مانے گا تو وہ مشرک اور کافر ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

یعنی آسمان وزمین کی پوشیدہ باتوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَايَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ﴾

یعنی پوشیدہ باتوں کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّااَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّي مَلَكٌ﴾

یعنی اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یا یہ کہ میں غیب داں ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لَوْكُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ﴾

یعنی اگر میں غیب دان ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

ان تمام آیات سے معلوم ہو گیا کہ عالم الغیب ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ صفت کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ بھی عالم الغیب نہیں تھے کیونکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی کے خبر دیے غیب کی ساری باتیں جانتا ہو اور اس کا یہ علم ذاتی ہو، آنحضرت ﷺ نے جو امت کو بعض غیب کی باتیں بتائیں ہیں، ان کی خبر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور ہر غیب کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا، جیسا کہ کثیر تعداد میں اس کے واقعات احادیث لفہ میں موجود ہیں، ان میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائے جانے کا قصہ بھی

ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ کے لیے عالم الغیب کا لقب استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں شرک کا شبہ ہے۔

❑ معجزات النبی ﷺ

سوال 49: ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کون کون سے معجزے دیے؟

جواب: ہمارے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ نے بہت معجزے دیے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1) شق القمر: جب کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اگر آپ ﷺ چاند کے دو ٹکڑے کر دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی پھر چاند کی طرف انگلی مبارک سے اسارہ فرمایا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، کفار کو یقین نہ آیا اور وہ حیرت سے آنکھوں پر کپڑا مل مل کر صاف کرتے اور دیکھتے تھے، عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے، اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر سابقہ حالت پر لوٹ آیا، مشرکین مکہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لیے ہم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرتے ہیں پھر ان سے دریافت کریں گے اگر انہوں نے تصدیق کر دی تو سچ مان لیں گے۔ چنانچہ جب مسافر آئے تو انہوں نے بھی شق القمر کا مشاہدہ بیان کیا مگر اس کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے اور اس کو جادو قرار دیا۔

(2) قرآن کریم: نبی کریم ﷺ کو سب سے بڑا اور قیامت تک باقی رہنے والا کھلا اور واضح معجزہ قرآن کریم عطا ہوا ایسا عظیم الشان معجزہ پہلے کسی نبی کو نہیں

دیا گیا۔قرآن کریم وہ عظیم الشان معجزہ علمی ہے کہ اس جیسا فصیح و بلیغ کلام نہ پہلے کوئی بنا سکا اور نہ ہی قیامت تک کوئی بنا سکے گا اور نہ انسانوں میں اس کی طاقت ہے، نہ جنات میں۔

(3) صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھی، پانی کی قلت کا شکار ہوئے اور جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پانی نہ ملنے کی شکایت کی، نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک برتن پانی کا رکھا تھا، آپ ﷺ نے اس برتن سے وضو فرمایا اور اس برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیا تو پانی آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پھوٹنے لگا حتیٰ کہ تمام حضرات نے سیر ہوکر پیا اور وضو فرمایا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس دن ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوجاتا۔

(4) درخت کا حکم ماننا: ایک مرتبہ حضرت نبی کریم ﷺ کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی اور اس جگہ کوئی آڑ نہ تھی، وادی کے کنارے پر دو درخت تھے، آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ اللہ کے حکم سے میرا کہنا مان تو وہ درخت آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑا جس طرح فرمانبردار اونٹ ساتھ چلتا ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس گئے اور اس کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر چنانچہ جب دونوں درخت مل گئے تو آپ ﷺ نے حاجت پوری فرمائی اس کے بعد دونوں درخت جدا ہوکر اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔

(5) پہاڑ والوں کا سلام کرنا: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ

کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا، ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ مضافات مکہ میں نکلا تو جو پہاڑ اور درخت سامنے آتا وہ یہ کہتا: "السلام علیکم یا رسول اللہ" ان کے علاوہ اور بہت سے معجزے کتب احادیث میں موجود ہیں جن سے آپ ﷺ کی نبوت کی کھلی تائید ہوتی ہے۔

❑ حیات النّبی ﷺ

سوال 50: عقیدہ حیات النبی ﷺ کی وضاحت کریں۔

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ بہ تعلق روح زندہ ہیں، آپ ﷺ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے بڑھ کر ہے۔ نیز آپ ﷺ کی یہ حیات دنیا جیسی ہے، (برزخی اور روحانی حیات نہیں ہے جو تمام انسانوں کو قبر میں حاصل ہوتی ہے) نیز جس طرح دنیا میں جسموں کو عادۃً خوراک کی ضرورت ہوتی ہے قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اس سے مستغنی ہیں۔ (خیر الفتاویٰ: 1/94)

تاہم اس زندگی میں آپ ﷺ مکلّف نہیں ہیں، ہمارا یہی عقیدہ تمام انبیاءؑ اور شہداء کے بارے میں بھی ہے، تاہم اسی کے ساتھ یہ اعتقاد بھی لازم ہے کہ تمام انبیاء کرام بشمول جناب نبی کریم محمد مصطفٰے ﷺ پر اس دنیا میں موت بھی آئی ہے اور تمام حضرات نے موت کا ذائقہ چکھا ہے۔

سوال 51: عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ثبوت قرآن وحدیث سے بیان کریں۔

جواب: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ. (بقرة:154)

ترجمہ: اور نہ کہو ان کو جو شہید کیے گئے خدا کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

خلاصہ: معلوم ہوا کہ اللہ کے راستہ میں شہید کی موت، موت نہیں بلکہ ہر غم اور تکلیف سے پاک ایک اعلیٰ زندگی ہے جب شہید کا جسم گوشت و پوست کا مجموعہ ہونے کے باوجود (قبر میں) خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور زندہ جسم کی طرح صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ اس پر احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں پس صرف اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے مگر ظاہری احکام میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کرسکتی ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ جسم کی سلامتی کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں۔ مثلاً انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء اور پھر عام مردے۔

حدیث شریف ہے:

عن انس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء في قبورهم يصلون

(مسند ابی یعلیٰ موصلی ص658)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔'' (صراط مستقیم کورس: از مولانا الیاس گھمن)

❑ ختم نبوت کا معنیٰ، مطلب و اہمیت

سوال52: ختم نبوت کا معنی اور مطلب اور اس کی اہمیت بیان کریں۔

جواب: ختم نبوت کا معنی اور مطلب:

اللہ رب العزت نے سلسلۂ نبوت کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمائی اور اس کی انتہاء محمد عربی ﷺ کی ذات اقدس پر فرمائی۔ آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی۔ آپ ﷺ آخرالانبیاء ہیں، آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی نہ بنایا جائے گا۔ اس عقیدہ کو شریعت کی اصطلاح میں عقیدۂ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔ (تحفۂ قادیانیت)

● ختمِ نبوت کی اہمیت

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی جان ہے، ساری شریعت اور سارے دین کا مدار اسی عقیدے پر ہے۔ قرآن کریم کی ایک سو سے زاید آیات اور آنحضرت ﷺ کی سینکڑوں احادیث (تقریباً دوسودس) سے یہ مسئلہ ثابت ہے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور چودہ صدیوں کے مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، علماء اور صوفیاء رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (الاحزاب:40)

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں۔

تمام مفسرین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ''خاتم النبیین'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ ﷺ ''آخری نبی'' ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا جائے گا۔ عقیدۂ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسی طرح آپ ﷺ کی احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

میں آیا پس میں نے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔ (بخاری، مسلم:5963، ترمذی)

مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

(مسلم:1167)

رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔

(ترمذی:2272، مسند احمد)

میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ (ابن ماجہ:4074، باب فتنۃ الدجال)

میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔

(کنز العمال، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں، از مولانا منظور احمد الحسینی)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحفظ و دفاع کے لیے جتنی جنگیں لڑی گئیں، ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد 259 ہے،

(رحمۃ للعالمین ج2، ص:213 قاضی سلمان منصور رحمہ اللہ)

اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ و دفاع کے لیے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ اور تابعین کی تعداد بارہ سو ہے (جن میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے)۔

(ختم نبوت کامل: ص304 حصہ سوم از مفتی محمد شفیع و مرقاۃ المفاتیح ج5 ص24)

رحمت عالم ﷺ کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے جام شہادت نوش کرگئی۔ اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

سوال **53**: حضور ﷺ نے نبوت کے جھوٹے مدعیوں کے متعلق کیا کیا پیش گوئیاں فرمائیں اور ان کا ظہور کب اور کس طرح ہوا اور صحابہؓ نے ان جھوٹے مدعیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

ج: ''حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک 30 کے لگ بھگ دجال اور کذاب پیدا نہ ہوں، جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔'' (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں ہے:

''قریب ہے کہ میری امت میں 30 جھوٹے پیدا ہوں ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(ابوداؤد، ترمذی)

ان دو ارشادات میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسے مدعیان نبوت کے لیے ''دجال و کذاب'' کا لفظ استعمال فرمایا جس کا معنیٰ ہے کہ وہ لوگ شدید دھوکے باز اور بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے ہوں گے۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسائیں گے، لہٰذا امت کو خبردار کردیا گیا کہ وہ ایسے عیار و مکار مدعیان نبوت اور ان کے ماننے والوں سے دور رہیں۔

آپ ﷺ کی اس پیشنگوئی کے مطابق 1400 سو سالہ دور میں بہت سے

کذاب ودجال مدعیان نبوت کھڑے ہوئے جن کا براحشر اسلام کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہیں۔

(عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں)

نوٹ: آج تک جو جھوٹے مدعیان نبوت ہوئے ان کی تفصیل ''ائمہ تلبیس'' (دوجلد) میں مولانا محمد رفیق دلاوری رحمہ اللہ نے قلمبند کی ہے۔ اس کی تلخیص 22 جھوٹے نبی کے نام سے نثار احمد خان فتحی نے کی، ان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ (آئینہ قادیانیت)

آپ ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا۔ اسود عنسی نے کافی قوت پکڑلی اور اس کا فتنہ یمن میں پھیل گیا۔ خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ (جو یمن میں رہتے تھے) کو خط ارسال فرمایا کہ اس فتنہ کا مقابلہ کرو اور اسود عنسی کا خاتمہ کردو۔ چنانچہ آپ ﷺ کے انتقال سے کچھ ہی عرصہ پہلے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے موقع تاک کر اسود عنسی کو تہہ تیغ کر کے اس کے فتنے کو ختم کردیا۔

آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسیلمہ کذاب کا فتنہ بھی زور پکڑ چکا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ یمامہ کے میدان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسیلمہ کذاب کے لشکر کے درمیان ایک خوفناک اور خونریز جنگ ہوئی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے 28 ہزار مسیلمہ کذاب کے ماننے والوں کو مع مسیلمہ کذاب کے تہہ تیغ کیا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد

اس جنگ میں شہید ہوئی

اسوۂ رسول اکرم ﷺ، اسوۂ صدیق رضی اللہ عنہ اور اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے سامنے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ نامی معاہدہ کیا۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد یہودیوں سے میثاق مدینہ ہوا۔ عیسائیوں کا مشہور وفد، وفد نجران مسجد نبوی میں آ کر ٹھہرا مگر آپ ﷺ نے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے مسیلمہ کذاب سے کوئی صلح نہیں کی اور کسی قسم کی نرمی نہیں برتی اور نہ ہی کوئی وفد اس کو سمجھانے یا تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ مسیلمہ کذاب کے بعد جس بد بخت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اس کا یہی حشر ہوا۔

انیسویں صدی کے اوائل میں مغربی استعمار اسلامی ممالک کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ اس نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے اپنی سرپرستی میں بہت سی باطل تحریکوں کی بنیاد رکھی جن میں ایک تحریک ''قادیانیت'' ہے جس کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس کا آبائی وطن قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب تھا۔ اس نے اسلام کا صحیح راستہ چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کیا اور نہ صرف نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی شان میں ہرزہ سرائی کا بھیانک مظاہرہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ کی توہین کی۔ اپنے آپ کو بعینہ محمد رسول اللہ کہا اور آپ ﷺ کی شان، نام و منصب اور مرتبہ سب پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین و تحقیر کی۔ وحی نبوت کا دعویٰ کیا، قرآن کریم کو منسوخ قرار دیا۔ اپنی جعلی وحی کا نام قرآنی نام پر ''تذکرہ'' رکھا۔ اپنی خود ساختہ وحی کو قرآن کی طرح ہر خطا سے پاک سمجھا۔ قرآن پاک میں لفظی اور معنوی تحریفات کیں اور اسلام کو نعوذ باللہ مردہ اور لعنتی قرار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بازاری زبان استعمال کی اور ان پر طعن و تشنیع کے نشتر چلائے۔ مرزا قادیانی نے اپنے ماننے والے

مرتدوں کی جماعت کو ''صحابہ رسول'' کے نام سے پکارا۔ اپنی بیوی کو ''ام المؤمنین'' کے نام سے تعبیر کیا۔ اپنے گھر والوں کو ''اہل بیت'' کا نام دیا اصحاب الصفہ کے مقابلہ میں ''اصحاب الصفہ'' رسول مدنی کے مقابلے میں ''رسول قدنی'' گنبد خضرا کے مقابلے میں گنبد بیضاء، روضہ اطہر کے مقابلے میں روضہ مطہر، تین سو تیرہ صحابہ کے مقابلے میں اپنے تین سو تیرہ چیلوں کی فہرست تیار کی۔ جہاد کو حرام، انگریز کی اطاعت کو فرض قرار دیا۔

مرزا قادیانی نے اپنی ''جنم بھومی'' قادیان کو مکہ اور روضہ سے افضل اور قادیان آنے کو ''ظلی حج'' قرار دیا۔ جنت البقیع کے مقابلے میں بہشتی مقبرہ تیار کرایا۔ احادیث رسول ﷺ کو بگاڑا۔ اقوال صحابہ و بزرگان کو مسخ کیا۔ اولیاء امت اور علماء کرام کو مغلظات سنائیں۔ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر، جہنمی، عیسائی، یہودی اور مشرک قرار دیا۔ مسلمانوں کو جنگلوں کے سور اور رنڈیوں کی اولاد کہا۔ تمام مسلمانوں سے معاشرتی مقاطعہ کا اعلان کیا، شادی بیاہ سے لے کر جنازہ، کفن، دفن اور تمام معاملات میں بائیکاٹ کی تعلیم دی۔

تفصیل کے لیے دیکھیں (آئینہ قادیانیت از مولانا اللہ وسایا صاحب)

سوال **54**: قادیانیت کی ابتداء کب ہوئی اور ان کے کتنے فرقے ہیں اور ان میں کیا فرق ہے؟

جواب: مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک سو سال پہلے 1889ء میں اپنی جماعت کی بنیاد رکھی۔ 1908ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی جماعت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ مرزا قادیانی کے انتقال کے بعد اس جماعت کا پہلا سربراہ حکیم نور الدین بنا، جس کا انتقال 1914ء میں ہوا۔ حکیم نور الدین کے مرنے کے بعد اقتدار و اختیارات کے حصول کا جھگڑا ہوا کہ اب سربراہ کون بنے گا؟ محمد علی لاہوری نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین

محمود کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور اسے سربراہ ماننے سے انکار کردیا اور دیان چھوڑ کر لاہور چلا آیا۔ لاہور آ کر لاہوری گروپ نے عام مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدد اور مسیح موعود کہنے کا ڈھونگ رچایا مگر جس شخص نے خود اپنی زندگی میں نبوت ملنے اور وحی آنے کا دعویٰ کیا ہو ایسے شخص کو مجدد تو کیا ایک مسلمان بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ صرف کافر و دجال اور کذاب ہی ہوسکتا ہے اور اس کے تمام پیروکا چاہے وہ اپنا کوئی سا نام رکھیں، اسی زمرہ کفار میں شامل ہوں گے۔

(عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں)

سوال 55: لاہوری اور قادیانی مرزائیوں میں کیا فرق ہے؟

ج: لاہوریوں کا قادیانیوں سے تین مسائل میں اختلاف جو ہے۔

1) قادیانی گروپ مرزا کے نہ ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں، لاہوری ان کو کافر نہیں کہتے۔

2) قادیانی گروپ مرزا قادیانی کو قرآنی آیت **"مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَد"** کا مصداق قرار دیتے ہیں، لاہوری اس آیت کا مرزا کو مصداق نہیں سمجھتے۔

3) قادیانی گروپ مرزا کو حقیقی نبی قرار دیتا ہے، لاہوری اسے حقیقی نبی قرار نہیں دیتے۔

سوال 56: جب لاہوری مرزا غلام احمد کو نبی ہی نہیں مانتے تو ان کے کافر ہونے کی کیا وجہ ہے؟

اس کو جو لوگ اپنا امام، مجدد، مامور من اللہ، مہدی، مسیح، ظلی نبی تسلیم کریں وہ بھی کافر ہیں، حتیٰ کہ مدعی نبوت کو جو لوگ مسلمان سمجھیں بلکہ جو اسے کافر نہ سمجھیں وہ بھی کافر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے اپنے فتاویٰ میں، عدالتوں نے اپنے فیصلوں میں اور اسمبلی نے اپنے قانون میں قادیانیوں کی طرح لاہوری گروپ کو بھی کافر قرار دیا ہے۔ (آئینہ قادیانیت)

سوال 57: مسلمانوں کو قادیانیوں کے ان دونوں گروپوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

جواب: ان دونوں گروپوں کے ساتھ معاشرتی ومذہبی میل جول شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے قطعاً ناجائز ہے۔ رابطہ عالم اسلامی نے اپریل 1974ء کے ایک بڑے اجتماع میں جو مکہ مکرمہ میں منعقد ہوا تھا ایک قرارداد منظور کی جس میں اسلامی ممالک اور 144 مسلم آبادیوں کی تنظیموں کے نمایندے شامل تھے جس کی شق 3 یہ ہے کہ: ''مرزائیوں (دونوں گروپ) سے مکمل عدم تعاون اقتصادی معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور ان کے کفر کے پیش نظر ان سے شادی بیاہ کرنے سے اجتناب کیا جائے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا۔''

اس شق کے پیش نظر تمام دنیا کے وہ مسلمان جو ان دونوں گروپوں کی ضرر رسانی اور ان کے کفر وزندقہ کا بخوبی علم رکھتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ ان کے ساتھ میل جول، اٹھنا، بیٹھنا، خرید وفروخت، ان کی دعوت میں شریک ہونا یا ان کو دعوت پر مدعو کرنا بند کردیں۔ اگر یہ مرجائیں تو ان کے کفن، دفن، جنازے میں شریک نہ

ٹ: اسلام، عیسائی اور یہودی وغیرہ دیگر غیر مسلموں کو برداشت کرتا ہے سوائے موالات (قلبی دوستی) کے، مواسات (ہمدردی نفع رسانی) مدارات (ظاہری خوش اخلاقی) سماجی تعلقات اور معاملات کی اجازت دیتا ہے۔ عیسائی کافر ہیں مگر ان کا نبی سچا تھا۔ یہودی خود غلط ہیں مگر جن کو وہ نبی مانتے ہیں وہ صادق تھے۔ سچے نبی کے جھوٹے پیروکاروں سے تعلقات ہو سکتے ہیں مگر کذاب و دجال کے پیروکاروں، حضرت محمد ﷺ کے باغیوں اور کفر کو اسلام کا لبادہ پہنا کر دھوکہ دینے والوں سے تعلقات نہیں رکھے جا سکتے۔

(عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں)

سوال 58: قادیانیوں کے بارے میں پاکستان کا آئین کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: 7 ستمبر 1974ء کو نیشنل اسمبلی آف پاکستان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

سوال 59: قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں تحریک ختم نبوت کا کیا کردار رہا؟ مختصراً بیان کریں۔

اب: تحریک ختم نبوت 1974ء ایک نظر میں

نمبر شمار	تاریخ	واقعات
1	22 مئی	پشاور جاتے ہوئے طلبہ کے وفد کی ربوہ اسٹیشن پر قادیانیوں سے تو تکار ہوئی۔
2	29 مئی	پشاور سے واپس آتے ہوئے قادیانیوں نے طلبہ پر قاتلانہ حملہ کیا۔
3	30 مئی	لاہور اور دیگر شہروں میں ہڑتال ہوئی۔

4	31 مئی	سانحہ ربوہ کی تحقیقات کے لیے صمدانی ٹریبونل کا قیام عمل میں آیا۔
5	3 جون	مجلس عمل کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں منعقد ہوا۔
6	9 جون	لاہور میں مجلس عمل کا کنویز حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کو مقرر کیا گیا۔
7	13 جون	وزیر اعظم نے نشری تقریر میں بجٹ کے بعد مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔
8	14 جون	ملک گیر ہڑتال ہوئی۔
9	16 جون	مجلس عمل کا لائل پور (فیصل آباد) میں اجلاس ہوا جس میں حضرت بنوریؒ کو امیر اور مولانا محمود احمد رضوی کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔
10	30 جون	قومی اسمبلی میں ایک متفقہ قرارداد پیش ہوئی جس پر غور کے لیے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔
11	24 جولائی	وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ جو قومی اسمبلی کا فیصلہ ہوگا ہمیں منظور ہوگا۔
12	3 اگست	صمدانی ٹریبونل نے تحقیقات مکمل کرلیں۔
13	5 اگست تا 23 اگست	وقفوں سے، مکمل گیارہ روز مرزا ناصر پر قومی اسمبلی میں جرح کی گئی۔
14	20 اگست	صمدانی ٹریبونل نے اپنی رپورٹ سانحہ ربوہ سے متعلق وزیر اعلیٰ کو پیش کی۔

15	22 اگست	رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی گئی۔
16	24 اگست	وزیر اعظم نے فیصلہ کے لیے 7 ستمبر کی تاریخ مقرر کی۔
17	27، 28 اگست	لاہوری گروپ پر قومی اسمبلی میں جرح ہوئی۔
18	1 ستمبر	لاہور شاہی مسجد میں ملک گیر ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔
19	5,6 ستمبر	اٹارنی جنرل (جناب یحییٰ بختیار) نے اسمبلی میں عمومی بحث کی اور مرزائیوں پر جرح کا خلاصہ پیش کیا۔
20	7 ستمبر	قومی اسمبلی نے 53:4 پر فیصلہ کا اعلان کیا کہ مرزا قادیانی کے ماننے والے ہر دو گروپ غیر مسلم ہیں۔



حقوق النبی ﷺ

سوال **60**: انبیاء کے کیا کیا حقوق ہیں؟

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں کا علم ہمیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے ہوا اس لیے تمام پیغمبروں کے حقوق ہم پر ہیں، بالخصوص سرور دو عالم ﷺ کا احسان ہم پر سب سے زیادہ ہے اس لیے آپ ﷺ کا حق بھی سب سے زیادہ ہے، آپ ﷺ چند حقوق یہ ہیں۔

(1) آپ ﷺ کی رسالت کا اعتقاد رکھنا۔

(2) تمام احکام میں آپ ﷺ کی اطاعت کرنا۔

(3) آپ ﷺ کی عظمت اور محبت کو دل میں جگہ دینا۔

(4) اور آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھتے رہنا (حقوق الاسلام [illegible])

☐ صحابہ کرام، صحابیت، خصوصیات، درجات، مشاجرات

• صحابیت

سوال 61: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

اب: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ہمیں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جس طرح حضور ﷺ تمام انبیاء سے بہتر اور افضل ہیں اسی طرح حضور ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110) قرآن کریم کی نص صریح ہے اور تمام امت میں سب سے افضل اور بہتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ اس لیے تمام اہلسنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انسانوں میں انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ وہ بلاشبہ مومن کامل اور صحیح اسلام والے تھے۔ معاذ اللہ وہ منافق نہ تھے۔ ان کا خاتمہ ایمان واسلام پر ہوا۔ قیامت تک کوئی شخص ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ جس طرح کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اسی طرح کوئی ولی صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

(اسلامی عقائد)

• خصوصیات

سوال 62: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خصوصیات بیان کریں۔

اب: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بہت سی خصوصیات ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(1) لف) وہ کفار پر بڑے سخت اور آپس میں بڑے مہربان تھے۔

ب) وہ بڑے عبادت گزار ہیں اور محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طلبگار رہیں۔

ج) ان کی مدح وستائش تورات اور انجیل میں بھی وارد ہوئی ہے۔

) یہ کفار کے غیظ غضب کا سبب ہیں۔

) للہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے جس سے کیا معلوم ہوا کہ وہ مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح پر تھے۔(فتح:29)

(2) لف) اللہ تعالیٰ نے ایمان ان کو محبوب کر دیا ہے اور اسے ان کے دلوں کی زینت بنادیا ہے۔

ب) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کفر وفسق اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے۔

ج) وہ لوگ نیک راہ والے ہیں۔(حجرات:7)

(3) اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ لازم کر دیا اور وہی اس کے سب سے زیادہ لائق تھے۔(فتح:26)

(4) قرآن نے ان کے کامیاب اور جنتی ہونے بیان کو کیا۔(توبہ:88)

(5) اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا۔(فتح:18)

(6) صحابہ ضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق اور واجب الاتباع ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآاٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

اگر دوسرے لوگ ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پالیں گے۔(بقرہ:137)(اسلامی عقائد)

نیز سورہ توبہ آیت نمبر 100 میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے

اور ایک حدیث میں ہے کہ

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (رزین)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تو تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے کامیاب ہو جاؤ گے۔ (فہم حدیث:1/196)

- **درجات صحابہ رضی اللہ عنہم**

سوال 63: افضلیت کے اعتبار سے صحابہ کرامؓ کے درجات بیان کریں۔

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ صحابہؓ دوسرے تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ ان چھ کے نام یہ ہیں: حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم پھر اصحاب بدر، پھر اصحاب بیعت رضوان پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے اور غزوات میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ (عقائد اہل السنہ والجماعہ)

● ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

سوال 64: ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

اب: ازواج مطہراتؓ کے متعلق ہمیں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ پوری امت کی ئیں اور ہر عیب سے پاک وصاف ہیں، اللہ کی رضا اور خوشنودی کی دعائیں کرنا ہر مسلمان پر ان کا حق ہے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے افضل حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن ہیں۔

● مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم

سوال 65: صحابہ کرامؓ کے آپس میں جو اختلافات ہوئے ہیں ان کے بارے میں ہمارا کیا عمل ہونا چاہیے؟

اب: صحابہ کرام کے آپس میں جو اختلافات ہوئے ہیں ان کے بارے میں ہمارا یہ عمل ہونا چاہیے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور عقیدت کو ایمان کا تقاضا سمجھتے ہوئے ان کی اچھائیاں بیان کریں اور ہم ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور بخشش کی دعائیں کرنا ایمان کا خاصہ سمجھتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنا یا نازیبا بات زبان سے نکالنا گمراہی قرار دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلافات پیش آئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا ہی سلامتی کا راستہ ہے اور ان اختلافات میں بحث وفیصلہ کرنا ایمان کی سلامتی کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہم مسلم خلفاء میں سے مانتے ہیں اور ان کے فضائل ومناقب

کے معترف ہیں اور ساتھ ہی ہم ان کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ پیش آنے والے اختلاف میں ان کی رائے کو اجتہادی خطا پر محمول کرتے ہوئے ان کی فضیلت اور مناقب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

مسئلہ: جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے یا حضرت علی رضی اللہ کو خدائی کا درجہ دیتا ہو یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (ردالمحتار: 4/237)

صحابہ کرامؓ کے حقوق

سوال **66**: صحابہ کرام اور اہل بیت کے حقوق کیا ہیں؟

جواب: **(1)** ان حضرات کی اطاعت کرنا۔

(2) ان سے محبت رکھنا۔

(3) ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھنا۔

(4) ان سے محبت رکھنے والوں سے محبت اور ان سے بغض رکھنے والوں سے بغض رکھنا۔ (حقوق الاسلام: تھانویؒ)

پانچواں باب: آخرت پر ایمان

- ❑ موت کی حقیقت
- ❑ برزخ کی حقیقت
- ❑ عذابِ قبر کا معنیٰ، مطلب و اہمیت
- ❑ قیامت کی حقیقت، علامات
- ❑ میدانِ حشر، احوال
- ❑ جنت و جہنم
- ❑ آخرت پر ایمان کی تعلیم کے بنیادی فوائد
- ❑ آخرت کی فکر پیدا کرنے کا طریقہ
- ❑ گناہ کے اسباب، اثرات
- ❑ گناہِ کبیرہ و صغیرہ
- ❑ گناہوں سے توبہ کا طریقہ

پانچواں باب: آخرت پر ایمان

☐ موت کی حقیقت

سوال 67: موت کی حقیقت کیا ہے؟

اب: موت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق ہے جب کسی جاندار پر آتی ہے تو اس کے جسم سے روح کا رابطہ ختم کر دیتی ہے، موت ایسی حقیقت ہے کہ جس کا کوئی ملحد، مشرک اور کافر بھی انکار نہیں کرسکتا، یہ ہر جاندار کو ضرور آنی ہے، موت آنے سے میت عالمِ دنیا سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

سوال 68: موت کے بارے میں اسلامی عقیدہ کیا ہے؟

جواب: موت کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ:

ہر نفس کے لیے اس کا ایک وقت مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے پس کسی کو بھی موت اس کے مقررہ وقت سے ایک لمحہ پہلے یا بعد میں نہیں آئے گی اور ہر جاندار کو ضرور بالضرور آنی ہے، کوئی جاندار اس سے بچ نہیں سکتا۔

موت مؤمن کے حق میں نعمت اور راحت کا پیش خیمہ ہے، جبکہ کافر و نافرمان کے لئے یہ عذاب وعقاب کی ابتدا ہے۔ قیامت میں جب اہلِ جنت، جنت میں اور اہلِ جہنم جہنم میں پہنچ جائیں گے، تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لاکر جنت اور جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

□ برزخ کی حقیقت

سوال 69: برزخ کیا ہے؟

جواب: ہر انسان پیدا ہونے کے بعد تین دور سے گذرتا ہے:

(1) پیدا ہونے کے بعد موت سے پہلے تک، یہ عالمِ دنیا ہے۔

(2) موت کے بعد سے قیامت قائم ہونے تک، یہ برزخ کا دور ہے، اگر مردہ قبر میں ہے، تو قبر اس کے لیے برزخ ہے اور اگر کسی درندے کے پیٹ، سمندر کی تہ یا ہواؤں کے دوش پر، غرض جہاں بھی ہو، اس کا عالمِ برزخ وہیں ہوگا۔

(3) قیامت قائم ہونے کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ تک، یہ دارِ بقاء اور دارِ آخرت ہے۔

سوال 70: موت کے بعد برزخ میں انسان کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے؟

جواب: موت کے بعد ہر میت چاہے مسلمان ہو یا کافر، عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے، چنانچہ وہاں مؤمن کی روح کو بشارتوں اور خوشخبریوں کے ساتھ اور نہایت اعزاز واکرام سے ساتویں آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا نام علّیّین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ کافر ہے تو اس کی روح کو نہایت تکلیف کے ساتھ اس کے جسم سے نکالا جاتا ہے اور نہایت بدبودار کپڑے میں قید کر کے آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے مگر آسمان کے دروازے اس کے لیے نہیں کھولے جاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو نچلی زمین کے سب سے تنگ حصہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد مؤمن یا کافر کو جب قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو ان کی روح ان کی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور منکر نکیر ان سے سوالات کرتے ہیں، اگر مردہ مؤمن ہے، تو سوالات کے درست جواب دیتا ہے اور اگر کافر ہے تو جواب میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ مؤمن کے لیے اس سوال و جواب کے بعد جنت کا بستر بچھا دیا جاتا ہے اور جنت کی طرف سے اس کے لیے دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور قبر کو اس کے لیے تاحدِ نگاہ کشادہ کردیا جاتا ہے جبکہ کافر کے لیے آگ کا بستر بچھا دیا جاتا ہے اور جہنم کا دروازہ اس کی قبر میں کھول دیا جاتا ہے جہاں اس کو جہنم کی گرمی اور آگ کی لپٹیں لگتی رہتی ہیں اور اس کی قبر کو اس قدر تنگ کردیا جاتا ہے کہ اس کی دونوں جانب کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر اور راحتِ برزخ برحق ہے، چنانچہ ایمان والوں کو قبر یا برزخ میں راحت و آرام مسرّتیں اور خوشیاں نصیب ہوتی ہیں جبکہ کفار ومنافقین اور گناہ کار عذاب و تکلیف کا شکار رہیں گے۔

سوال **71**: منکر نکیر کون ہیں؟

جواب: منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو میت سے برزخ میں تین سوالات کرتے ہیں:

(1) تیرا رب کون ہے؟

(2) تیرا دین کیا ہے؟

(3) تیرا رسول کون ہے؟

چنانچہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ میت جب قبر میں دفن کردی جاتی ہے تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور منکر نکیر اس سے مذکورہ بالا تین سوالات کرتے ہیں۔

عذابِ قبر کا معنیٰ، مطلب واہمیت

سوال 72: عذابِ قبر کا معنی اور مطلب اور اس کی اہمیت بیان کریں۔

جواب: عذاب قبر کا معنی اور مطلب:

جب انسان مرجاتا ہے تو دنیا سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، موت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کا جو زمانہ گزرتا ہے اس کو ''برزخ'' کہا جاتا ہے، برزخ میں بہت سے لوگ اچھے حال میں رہتے ہیں اور بہت سے لوگ وہاں تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں، دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں ان کے ماننے والے عموماً میت کو دفن ہی کرتے ہیں۔ اس لیے برزخ کی تکلیف کو عذاب قبر ہی کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو لوگ جلا دیے جاتے ہیں یا دریا میں ڈال دیے جاتے ہیں یا جن کو درندے کھا جاتے ہیں وہ اپنے کفروشرک کے باوجود برزخ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں، خدائے تعالیٰ کو قدرت ہے کہ درندوں کے پیٹوں اور سمندروں کی تہوں سے ذرات کو جمع فرمائے اور برزخی زندگی دے کر عذاب دے دے، مؤمنین صالحین کے لیے قبر انتظار گاہ ہے، یہ حضرات قیامت ہونے تک برزخ میں آرام سے رہتے ہیں اور کافرین ومنافقین کے لیے ایک طرح کی سخت حوالات ہے جس میں عذاب ہی عذاب ہے اور جو لوگ فاسق ہیں کبیرہ گناہوں میں لگے رہتے ہیں، ان کو بھی عذاب قبر دیا جاتا ہے۔ (تحفہ خواتین)

● اہمیتِ عذابِ قبر

عذاب قبر کا عقیدہ قرآن مجید کی تقریباً 10 آیات میں اشارۃً اور رسول کریم ﷺ کی 70 احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔ (معارف القرآن:5/248)

اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین عظامؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور چودہ صدیوں کے مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، علماء اور صوفیاء رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے۔

(نفحات شرح مشکوٰۃ از حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی)

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ (ابراہیم:27)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ ثابت الامن کی برکت) سے دنیا میں اور آخرت (دونوں جگہوں) میں (دین اور امتحان میں) مضبوط رکھتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ اس آیت میں آخرت سے مراد برزخ یعنی قبر کا عالم ہے۔ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قبر میں مؤمن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائید ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ (ابراہیم:27)

کا یہی مطلب ہے۔ اسی طرح تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے معتبر

سندوں کے ساتھ یہ منقول ہے کہ وہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور قبر کا عذاب اور ثواب ہے۔ (معارف القرآن:2/248)

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَامَکَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ. اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ

(مومن:45,46)

پھر خدا تعالیٰ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) موذی عذاب نازل ہوا (جس کا بیان یہ ہے) کہ وہ لوگ (برزخ میں) صبح وشام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں (یعنی جلائے جاتے ہیں) اور جس روز قیامت قائم ہوگی (تو حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو (مع فرعون کے) نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سے پہلے بھی فرعون اور اس کے لوگوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ یہی قبر کا اور برزخ کا عذاب ہے۔

مِمَّا خَطِیْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا

اپنے گناہوں کے سبب وہ (یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے لوگ) غرق کیے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے۔

ان لوگوں کا قیامت سے پہلے آگ میں داخلہ سے مراد برزخ اور قبر کی آگ میں داخلہ ہے۔ (اسلامی عقائد)

عذابِ قبر کا عقیدہ جس طرح قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ

کی احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیا کہتا ہے ان صاحب کے بارے میں (جو تمہاری طرف بھیجے گئے) وہ اگر مؤمن ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، یہ سن کر وہ کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا، پھر اس کی قبر ستر ہاتھ مربع کشادہ کردی جاتی ہے پھر اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اب تو سو جا، وہ کہتا ہے میں تو اپنے گھر والوں کو (اپنا حال) بتانے کے لیے جاتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ (یہاں آکر جانے کا قانون نہیں ہے) تو سو جا جیسا کہ دلہن سوتی ہے، جیسے اس کے شوہر کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا، (لہٰذا وہ آرام سے قبر میں رہتا ہے) یہاں تک کہ اللہ اسے قیامت کے روز اس جگہ سے اٹھائے گا۔(ترمذی:1027)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے مشکل کام کے سبب عذاب نہیں ہو رہا ہے، (بلکہ ایسی معمولی باتوں پر عذاب ہو رہا ہے جن سے بچ سکتے تھے، پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کے گناہوں کی تفصیل بتائی کہ) ان دونوں میں ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا (اور ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے نہ بچتا تھا) اور دوسرا چغلی کرتا تھا پھر آپ ﷺ نے ایک تر ٹہنی منگا کر بیچ میں چیر کر آدھی ایک قبر میں گاڑ دی اور آدھی دوسری قبر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ ارشاد فرمایا کہ امید ہے ان دونوں کا

عذاب ان کے سوکھنے تک ہلکا کر دیا جائے۔ (مشکوٰۃ، بخاری:214، مسلم)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اپنے خچر پر سوار ہوکر بنونجار کے ایک باغ میں تشریف لے جا رہے تھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اچانک آپ ﷺ کا خچر بدک گیا اور ایسا بدکا کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کو گرا دے، وہیں پانچ یا چھ قبریں تھیں، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا میں پہچانتا ہوں، آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا یہ کب مرے تھے؟ اس نے کہا زمانہ شرک میں مرے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو قبر کا عذاب دیا جاتا ہے (جو مستحق عذاب ہوتا ہے) سو اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم آپس میں دفن کرنا چھوڑ دو گے تو خدا سے ضرور دعا کرتا کہ تم کو (بھی) اس قبر کے عذاب کا کچھ حصہ سنا دے جس کو میں سن رہا ہوں۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک دن ایک یہودی عورت آئی اور (اثناء گفتگو میں) اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے (چونکہ یہ بات ایک غیر مسلم عورت نے کہی تھی اس لیے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اس کا اعتبار نہ کیا اور) رسول اکرم ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے (کافروں اور نافرمانوں کو ہوتا ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا نہ کی ہو کہ عذاب قبر سے پناہ میں رکھے۔

(مشکوٰۃ عن البخاری:1016 و مسلم:1554) (تحفہ خواتین)

□ قیامت کی حقیقت، علامات

سوال 73: قیامت کی حقیقت کیا ہے؟

اب: جب اس دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لیوا نہ رہے گا، کفر وشرک اور نافرمانی پھیل جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیلؑ صور پھونکیں گے جس کی ہیبت ناک اور کڑک دار آواز سے تمام جاندار مر جائیں گے، زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ غرض تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے گا پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب حساب وکتاب کے لیے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، اسی کا نام قیامت اور حشر ونشر ہے۔

سوال 74: قیامت کب آئے گی؟

جواب: قیامت کے دن کی خبر انبیائے کرامؑ اپنی امّتوں کو دیتے چلے آئے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے آکر بتایا کہ قیامت قریب آپہنچی ہے اور میں اس دنیا میں اللہ کا آخری رسول ہوں لیکن قیامت کب آئے گی؟ اس کی ٹھیک ٹھیک تاریخ تو کجا، سال اور صدی تک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں معلوم، یہ ایسا راز ہے جو خالقِ کائنات نے کسی فرشتے یا نبی کو بھی نہیں بتایا، ہاں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے ذریعہ ہمیں قیامت کی نشانیاں بتادی ہیں، ان میں سے اکثر ظاہر ہو چکی ہیں، چند بڑی علامتیں ظاہر ہونا باقی ہیں۔

سوال 75: قیامت کی علامتیں کیا ہیں؟

اب: قیامت کی علامات دو قسم کی ہیں: پہلی علاماتِ صغریٰ، یعنی چھوٹی علامتیں اور

علاماتِ صغریٰ یعنی وہ علامتیں جو ظاہر تو ہوچکی ہیں، مگر ابھی انتہا کو نہیں پہنچی ہیں، ان میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے اور ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ علاماتِ کبریٰ یعنی بڑی علامتیں ظاہر ہونے لگیں گی۔ علاماتِ صغریٰ بہت سی ہیں، جن میں سے چند علامات ذکر کی جاتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے یہ چھ نشانیاں ظاہر ہونگی۔

(1) میری وفات **(2)** بیت المقدس کا فتح ہونا **(3)** مسلمانوں میں ایک وبائی بیماری کا پھیلنا **(4)** مال کا اتنا زیادہ ہونا کہ لوگ سو دینار کو بھی حقیر سمجھنے لگیں **(5)** ملک عرب کے گھر گھر میں فتنہ کا داخل ہونا **(6)** مسلمان اور عیسائیوں کے درمیان ایک صلح کا ہونا اور پھر عیسائیوں کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ہونا۔

ان مذکورہ چھ علامتوں میں سے پانچ ظاہر ہوچکی ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیت المقدس فتح ہوا اور حضرت عمرؓ ہی کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کے لشکر میں عَمْوَاس کے مقام پر ایسا طاعون پھیلا کہ تین دن میں تیرہ ہزار مسلمان اس سے وفات پاگئے جبکہ چوتھی اور پانچویں علامت حضرت عثمانؓ کے دور میں ظاہر ہوئیں کہ مسلمانوں کے پاس دولت کی ریل پیل ہوگئی۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ دین پر قائم رہنے والے کی حالت اس شخص کی طرح ہوگی جس نے انگارے کو اپنی مٹھی میں پکڑ رکھا ہو، تجارت کی کثرت ہوگی، یہاں تک کہ بیوی شوہر کے ساتھ

ہوگی، لکھنے کا رواج بہت بڑھ جائے گا، جھوٹی گواہیوں کی کثرت ہوگی۔ قبیلوں اور قوموں کے راہنما منافق، رزیل ترین اور فاسق لوگ ہوں گے، تعلیم محض دنیا کے لیے ہوگی، رشتہ داروں کے حقوق پامال کیے جائیں گے اور اجنبی لوگوں سے حسنِ سلوک ہوگا، بیوی کی اطاعت اور ماں باپ کی نافرمانی ہوگی، سلام صرف جان پہچان کے لوگوں کو کیا جائے گا۔ چرواہے وغیرہ کم درجے کے لوگ فخر ونمود کے طور پر اونچی اونچی عمارتیں بنانے لگیں گے، شراب کا نام نبیذ، سود کا نام تجارت اور رشوت کا نام ہدیہ رکھ کر انہیں حلال سمجھا جائے گا۔ عورتیں عورتوں سے اور مرد مردوں سے شادی کریں گے، عورتیں اتنے باریک اور چست کپڑے پہنیں گی کہ وہ اس میں ننگی نظر آئیں گی، ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح اونچے ہوں گے، وہ مٹک مٹک کر چلیں گی، خود بھی لوگوں کی طرف مائل ہوں گی اور لوگوں کو بھی اپنی طرف مائل کریں گی۔

علاماتِ صغریٰ اور بھی بہت سی احادیث میں موجود ہیں، ان سب کی خبر حضور اقدس ﷺ نے اُس دور میں دی تھی جب کہ ایسی باتوں کا تصور بھی مشکل تھا مگر آج سب لوگ ان علامتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

سوال 76: بڑی علامتیں کون کون سی ہیں؟

جواب: قیامت کی بڑی علامتیں یہ ہیں:

1. ظہور مہدی: مسلمانوں کے آخری امیر حضرت امام مہدیؑ ہوں گے، ان کے ظہور کا وہی وقت ہے جو دجال کے ظہور کا وقت ہے۔

حضرت امام مہدیؑ حضور اقدس ﷺ کی اولاد میں سے ہوں گے، آپ کا نام

محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہوگا، آپ کا قد کچھ لمبا ہوگا، جسم مضبوط اور رنگ گورا مائل بہ سرخی ہوگا، چہرہ کشادہ، ناک پتلی اور بلند ہوگی، زبان میں کچھ لکنت ہوگی، جب یہ لکنت زیادہ تنگ کرے گی تو آپ رانوں پر ہاتھ ماریں گے۔ آپ چالیس برس کی عمر میں ظاہر ہوں گے اس کے بعد سات یا آٹھ برس حیات رہیں گے۔

2. ظہور دجال: دجال ایک جھوٹا شخص ہوگا، جس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی، بال حبشیوں کی طرح ہوں گے، اس کی پیشانی پر ''ک ف ر'' لکھا ہوگا، ایک بڑا گدھا اس کی سواری کے لیے ہوگا، جس کا رنگ نہایت سفید ہوگا اور اس کے گدھے کے دونوں کانوں کے درمیان ستر ہاتھ کا فاصلہ ہوگا، اس کی رفتار بادل اور ہوا کی طرح تیز ہوگی، یہ ملکِ عراق اور ملکِ شام کے درمیان ظاہر ہوگا، سب سے پہلے نبوّت کا دعویٰ کرے گا، اس کے بعد خدائی کا دعویدار بن جائے گا، اس کے ساتھ ایک آگ ہوگی، جسے وہ ''جہنم'' کہے گا اور ایک باغ ہوگا، جسے وہ ''جنت'' کہے گا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہوگی، یہ اپنے لشکر کے ساتھ بے شمار ملکوں میں فساد پھیلاتا پھرے گا، جو شخص اس کی اطاعت کرے گا، اس کو اپنی جعلی جنت کی سیر کرائے گا اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا، اس کو اپنی خود ساختہ جہنم میں ڈال دے گا، جو شخص اس کی آگ میں گرے گا، اس کا اجر وثواب یقینی اور گناہ معاف ہو جائیں گے۔

وہ گھومتا پھرتا اور فساد برپا کرتا ہوا مکہ معظّمہ کی طرف آئے گا لیکن فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے اس کے اندر داخل نہ ہو سکے گا، یہاں سے ناکام

ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کرے گا اور جبلِ اُحد کے پاس ڈیرہ ڈال دے گا مگر مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوسکے گا پھر یہ شام میں فلسطین کے ایک شہر تک آئے گا اور مسلمان حضرت مہدیؒ کی قیادت میں بیت المقدس کے ایک پہاڑ پر محصور ہوجائیں گے۔

3. **نزول عیسیٰ:** جب محاصرہ طول کھینچے گا تو حضرت امام مہدیؒ دجال سے جنگ کا فیصلہ کرلیں گے، جنگ کے لیے صف بندی کرلی جائے گی اور دونوں لشکر جنگ کے لیے تیار ہوں گے، اسی دوران ایک دن مسلمان فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کھڑے ہوں گے اور امام مہدیؒ امامت کے لیے آگے بڑھ جائیں گے تو حضرت عیسیٰؑ دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی مینار پر اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے اور امام مہدیؒ کی امامت میں نماز ادا فرمائیں گے۔

حلیۂ عیسیٰ علیہ السلام: حضرت عیسیٰؑ کا قد درمیانہ، رنگ سرخ وسفید، بال شانوں تک پھیلے ہوئے، سیدھے صاف اور چمکدار ہوں گے جیسے غسل کے بعد ہوتے ہیں، جسم پر ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے، الغرض حضرت عیسیٰؑ ہاتھ کے اشارے سے فرمائیں گے کہ میرے اور دجال کے درمیان سے ہٹ جاؤ، حضرت عیسیٰؑ کے سانس میں یہ تاثیر ہوگی کہ جس کافر کو اس کی ہوا لگے گی، وہ مرجائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر جائے گی، وہیں تک سانس بھی پہنچے گا، دجال حضرت عیسیٰؑ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا، جس طرح پانی میں نمک گھلتا ہے۔ چنانچہ وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا، حضرت عیسیٰؑ اس کا تعاقب کرکے بابِ لُد پر اس کو قتل کردیں گے جو دمشق (شام) کا ایک محلّہ ہے۔

دجال کے قتل کے بعد مسلمان اس کے لشکر کو چن چن کر قتل کریں گے، کسی یہودی کو کہیں پناہ نہ ملے گی، حتّٰی کہ اگر وہ کسی درخت یا پتھر کے پیچھے پناہ لے گا، تو وہ بھی بول اٹھے گا کہ یہ کافر ہے۔ اس کے بعد لوگ روئے زمین پر امن وامان اور چین وسکون سے رہنے لگیں گے اور امام مہدیؑ کی وفات ہو جائے گی۔

4. ماجوج ماجوج: ایک دن حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو کوہِ طور پر لے جائیں، چنانچہ آپ ایسا ہی کریں گے، جس کے بعد یاجوج ماجوج کی دیوار ٹوٹ جائے گی اور وہ اپنے ٹھکانے سے نکل کر زمین میں تباہی مچا دیں گے، جس پانی پر سے گزریں گے اسے پی کر ختم کر دیں گے۔

سوال **77**: یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں؟

اب: یاجوج ماجوج ایک فسادی قوم کا نام ہے جو یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔ ذوالقرنین نے لوگوں کو ان کے فساد اور لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کے لیے دو پہاڑوں کے درمیان سیسہ پلائی ہوئی دیوار کھڑی کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا، اس دیوار کی وجہ سے لوگوں کو ان کے فساد اور لوٹ مار سے تحفظ مل گیا تھا، یہ مضبوط دیوار اب تک قائم ہے، قیامت کے قریب یہ دیوار اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹوٹ جائے گی۔

غرض یہ قوم دیوار ٹوٹنے کے بعد زمین کے چپہ چپہ پر پھیل جائے گی اور سخت تباہی و بربادی پھیلائے گی، آخر کار حضرت عیسیٰؑ یاجوج ماجوج کے لیے بد دعا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس قوم کو ایک بیماری میں مبتلا فرما کر ہلاک فرما دیں گے، اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ اور مسلمان زمین پر اتر آئیں گے مگر زمین پر یاجوج ماجوج کی لاشوں سے بڑی بدبو ہوگی، پس اللہ تعالیٰ لمبی لمبی

گردنوں والے پرندے بھیج دے گا جو ان کی لاشیں اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پھینک دیں گے، پھر بارش ہوگی جس سے زمین بالکل صاف وشفاف ہو جائے گی۔ اس کے بعد روئے زمین پر خیر ہی خیر ہوگی دشمنی چوری چکاری اور دیگر تمام منکرات مٹ جائیں گے، مسلمانوں کے پاس بے انتہا مال و دولت آئے گا، زہریلے جانوروں کا زہر نکال لیا جائے گا، بچے سانپوں سے کھیلیں گے، درندے بھی بے ضرر ہو جائیں گے، ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ ایک جماعت کھائے گی، غرض اس دور میں زندگی بڑی خوش گوار ہوگی اور خیر و برکت کا یہ زمانہ سات سال تک رہے گا پھر مدینہ منورہ میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان آپ علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھ کر آپ علیہ السلام کو حضور پاک ﷺ کے روضۂ مبارک میں دفن کر دیں گے۔

5. ذکرِ دُخان: ایک دن آسمان پر ایک خاص دھواں چھا جائے گا اور پھر زمین پر برسے گا، اس سے مؤمنین کو تو زکام سا محسوس ہوگا مگر کافروں کے سر ایسے ہو جائیں گے جیسے انہیں آگ پر بھون دیا گیا ہو، یہ دھواں چالیس روز تک رہے گا، جب دھواں چھٹے گا تو بقرہ عید کے دن قریب ہوں گے۔

6. سورج کا مغرب سے نکلنا: دسویں ذی الحجہ کے بعد ایک رات نہایت لمبی ہوگی، یہاں تک کہ بچے سو سو کر تھک جائیں گے، لوگ پریشان ہو جائیں گے، جانور شور مچانے لگیں گے لیکن صبح نہ ہوگی، یہاں تک کہ جب رات تین یا چار راتوں کے برابر ہو چکے گی تو سورج مغرب کی جانب

ہوتا ہے، دوبارہ مغرب میں جا کر ڈوب جائے گا، اس کے بعد عام عادت کے مطابق مشرق سے طلوع ہوا کرے گا۔ مغرب سے سورج طلوع ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، کافر کفر سے اور گناہ گار گناہوں سے توبہ کریں گے مگر وہ توبہ معتبر نہ ہوگی۔

7. دابۃ الارض: اس کے بعد مکہ معظّمہ میں صفا پہاڑی زلزلے سے پھٹ جائے گی اور اس میں سے ایک عجیب وغریب شکل کا جانور نکلے گا جس کا سر بیل کی طرح، آنکھیں خنزیر کی طرح، کان ہاتھی کی طرح، گردن شترمرغ کی طرح سینہ شیر کی طرح، جسمانی رنگ چیتے کی طرح، پچھاڑی بلی کی طرح اور دُم مینڈھے کی طرح ہوگی، حضرت موسیٰؑ کا عصا (لاٹھی) اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی اس کے پاس ہوگی، وہ ہر مؤمن وکافر کی پیشانی پر نشان لگائے گا، یہ عجیب جانور ہے، ساری دنیا میں گھومے گا اور لوگوں سے باتیں کرے گا، اس کو دیکھ کر کافر بھی ایمان لائیں گے مگر ان کا یہ ایمان بے فائدہ ہوگا۔

8. یمن کی آگ: پھر ایک آگ یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو محشر (ملک شام) کی طرف ہانک کر لے جائے گی، قرآن کریم لوگوں کے سینوں اور مصاحف سے اٹھالیا جائے گا۔

9. مؤمنین کی موت: کچھ عرصہ بعد ایک نہایت فرحت بخش ہوا چلے گی جو تمام مؤمنین کی روح قبض کر لے گی اور کوئی مؤمن دنیا میں باقی نہ رہے گا، دنیا میں صرف کفار اور بدکاروں کا عمل دخل ہو جائے گا، حکومت پر حبشہ

[illegible]

حالت میں گزریں گے کہ اچانک جمعہ کے دن، دس محرم کو حضرت اسرافیلؑ صور پھونکیں گے اور بدترین لوگوں پر قیامت آ جائے گی۔

میدانِ حشر کے احوال

سوال 78: حشر نشر یا عالم آخرت کیا ہے؟

ج: پہلی دفعہ صور پھونکنے سے تمام عالم نیست و نابود ہو جائے گا، حتّٰی کہ خود حضرت اسرافیلؑ کو بھی موت آ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے، پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا، تمام عالم دوبارہ زندہ ہو جائے گا، مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکل پڑیں گے اور سب جمع ہو کر میدان حشر کی طرف چل پڑیں گے، یہی دوبارہ زندگی حشر و نشر یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

سوال 79: عالمِ آخرت اور میدانِ حشر کے کچھ حالات بیان کریں۔

ج: دوسری بار صور پھونکنے پر جب تمام عالم بیدار ہو جائے گا اور مردے زندہ جائیں گے تو سورج سوا نیزے پر آ جائے گا اور لوگ اپنے اعمال کی نسبت سے پسینے میں ڈوبے ہوں گے، بعض ٹخنوں تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے، بعض گھٹنوں تک، بعض ناف تک اور بعض کو پسینے نے منہ تک ڈبو رکھا ہوگا، اس دن لوگ نشہ کے بغیر مدہوش ہوں گے۔

تمام انسان حساب و کتاب کے لیے میدان قیامت میں جمع ہوں گے، ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سفارش پر حساب و کتاب شروع ہوگا، اعمال ناموں کا وزن ہوگا اور اعمال ناموں کے وزن کے لیے ''میزان عدل'' یعنی

انصاف کا ترازو نصب ہوگا، جس کے داہنے پلڑے میں نیک اعمال اور بائیں پلڑے میں اعمالِ بد رکھے جائیں گے، جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، ان کو نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اور جن کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگا، ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا، نیکو کار خوشی کے مارے سب کو اپنا نامۂ اعمال دکھاتے ہوں گے، جبکہ بدکار حسرت وافسوس کرتا پھرے گا، پھر سب کو پل صراط سے گزرنا ہوگا۔

سوال **80**: پل صراط کیا ہے؟

اب: یہ ایک پلی ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جہنم کے اوپر بندھا ہے، سب کو اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا، نیک لوگ اس کو سلامتی کے ساتھ عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور بدکار و کفار اس پر سے کٹ کر دوزخ میں گر جائیں۔

سوال **81**: کیا گناہ گار مسلمان بھی جہنم میں جائے گا؟

جواب: جی ہاں! وہ مسلمان جس نے دنیا میں گناہ کیے اور سچی توبہ نہ کی تو قانونِ خداوندی کے مطابق وہ جہنم میں اپنے گناہوں کی سزا پاکر اور پاک وصاف ہوکر بالآخر جنّت میں جائیں گے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو معاف فرمادیں تو یہ بھی سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے۔

❑ جنت وجہنم

سوال **82**: جنت اور جہنم کے بارے میں اسلامی عقائد کیا ہیں؟

جواب: ہمارا اس پر ایمان ہے کہ جنت اور جہنم اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ ہیں جو اللہ

تعالیٰ نے پیدا فرمادی ہیں اور یہ کبھی فنا نہ ہوں گی۔ جنت اللہ کے نیکوں کار اور پسندیدہ بندوں کا ٹھکانہ اور ان کی آرام گاہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ آخرت میں جس کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا، وہی اصل کامیاب و کامران ہوگا اور جہنم اللہ کے دشمنوں اور نافرمانوں کا ٹھکانہ ہے، کفار و مشرکین ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے، کبھی ان کے عذاب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے نیک صالح بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ ان کو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال تک گزرا۔ ان تمام نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت جنت میں اللہ جل شانہٗ کا دیدار ہے، جنتی اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے جنت میں اس طرح (آسانی) سے دیکھیں گے، جس طرح دنیا میں چاند کو دیکھتے ہیں لیکن کافر اس انعام سے محروم رہیں گے، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روک دیے جائیں گے۔

❑ آخرت پر ایمان کی تعلیم کے دو بنیادی فوائد

سوال **83:** اسلام نے ایمان بالآخرۃ (موت، قبر، حشر و نشر، جنت، جہنم) کی جو تعلیم دی ہے اس کے بنیادی فوائد کیا ہیں؟

جواب: ایمان بالآخرۃ مذہب اسلام کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے۔ معلوم ہو چکا ہے کہ اہلِ عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا بلکہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا ان کے نزدیک

کس قدر مستبعد تھا، قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیات بعد الموت کی تلقین اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت ا اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کرتے تھے اور جمعہ کے خطبوں میں خصوصیت کے ساتھ سورۂ ق تلاوت فرماتے تھے، جس میں قیامت کے حالات ہیں مگر دیکھو کہ 23 برس کی مسلسل تعلیم قرآن پاک کی تاثیر اور محمد رسول اللہ ا کے فیضِ ہدایت سے نہ صرف ان کا انکار اقرار سے بدل گیا بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر ان کے دل ودماغ کی تختی پر منقوش ہو گئے تھے۔

یاد ہوگا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا

اموت ثم بعث ثم حشر حديث خرافة يا ام عمرو

کیا مرنا ہے، پھر جینا اور پھر اکٹھا ہونا اے عمرو کی ماں یہ خرافات کی باتیں ہیں لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز وانکار، یقین سے بدل گیا اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا

وانا لنرجوا فوق ذلک مظهرا

ہم آسمان تک پہنچ گئے اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے ہو جائیں گے۔ (صحیح بخاری ج ثانی باب کلام الرب)

آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے اس نے عرض کیا کہ جنت یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ دیکھو کہ جن کی نظریں زمین سے اونچی نہیں جایا کرتی تھیں ان کا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا جن کو مر کر جینا بعید (دور)

کی پروا نہ تھی جو سزا و جزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے جو جنت اور دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے۔ دوسری زندگی پر ان کو اسی طرح یقین آ گیا جس طرح آج کی زندگی پر تھا، آخرت کے مواخذہ (پکڑ) سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے، اعمال کی جواب دہی سے ترساں ولرزاں رہنے لگے، سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی باز پرس خود کرنے لگے، جنت کا اشتیاق ان کو بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا، دوزخ کا ڈر ان کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھیڑا کرتا تھا، ان کی آنکھوں کو اشک بار کرتا تھا، فرائض اور ذمہ داری کو دیانت داری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لحظہ ان کو آمادہ کرتا رہتا تھا، راحت کے خواب اور آرام کے بستر سے ان کو چونکا کر عمل کے میدان میں تنہا لے آتا تھا اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے ان کو ہمہ تن سرگرم اور سرتاپا مصروفِ جدوجہد بنا دیتا تھا، تنہائی اور تاریکی میں بھی ان کے دل اور بدن کی برائیوں اور بداعمالیوں سے باز رکھتا تھا، ان کے ضمیر اور دل کے صفحوں کو ہر وقت خدا کی آنکھوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا۔ (سیرت النبیؐ: 459/4)

❑ آخرت کی فکر پیدا کرنے کا طریقہ

سوال 84: آخرت کی فکر پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جـواب: فکر آخرت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ یوں سوچا جائے کہ دنیا ایک ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور پھر ختم ہونے والی ہے، خاص کر میری عمر تو بہت جلد گزر جائے گی اور آخرت ایک شاندار چیز ہے جو یقیناً آنے والی ہے، جس میں موت تو بہت ہی جلد آ کھڑی ہوگی۔ اس کے بعد لگاتار یہ واقعات ہونا شروع ہو جائیں گے، قبر کا معاملہ ثواب یا عذاب، قیامت کے دن دنیا کے اعمال کا حساب و کتاب، اس کے بعد جنت یا دوزخ کی سزا و جزا۔

(حیات المسلمین: روح 21)

❑ گناہ کے اسباب، اثرات

سوال 85: انسان گناہ کیوں کرتا ہے؟

اب: گناہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے خوف کی کمی کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔

سوال 86: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ سے بچنا کیوں ضروری ہے؟

جواب: **(1)** گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کے محسن ہیں، بندوں پر ان کے بے شمار احسانات ہیں ان کو ناراض بالکل نہیں کرنا چاہئے، دنیا میں کوئی معمولی احسان کر دے تو انسان اس کو ناراض نہیں کرتا۔

(2) نیز گناہ کرنے سے انسان دنیا و آخرت کی مصیبتوں و آفتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لیے بھی گناہ سے بچنا چاہئے۔

(3) گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ (مسند احمد)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہو جاتا ہوں، جب راضی ہو جاتا ہوں تو اپنے بندوں پر برکت نازل کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہاء نہیں اور جب میری اطاعت چھوڑ کر نافرمانی کی جاتی ہے تو غضب ناک ہوتا ہوں اور لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشتوں تک پہنچتا ہے۔ (احمد)

سوال 87: گناہ کرنے سے دنیا میں کیا سزا ملتی ہے؟

جواب: ایک سزا جو آنکھوں سے نظر آتی ہے اور ہر گناہ پر ملتی ہے وہ یہ کہ گناہ گار کو دنیا سے رغبت اور آخرت سے وحشت ہو جاتی ہے جس طرح ظاہری بیماری سے دل پریشان ہو جاتا ہے کام وغیرہ کا دل نہیں چاہتا ہے باطنی بیماری

گناہوں کی بھی یہی تاثیر ہے اس سے دل ہر وقت بیمار رہتا ہے اس رزق سے محروم کردیا جاتا ہے جو اسے ملنے والا تھا، جب اللہ تعالیٰ بندوں سے (گناہوں کا) انتقام لینا چاہتا ہے تو بچے کثرت سے مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہوجاتی ہے۔ظالم حکام مسلط ہوجاتے ہیں، تعریف کرنے والے مذمت کرنے لگتے ہیں۔(جزاءالأعمال ابن ابی الدنیا)

سوال 88: گناہ کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟

جواب: کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا تعلق دل سے ہے کچھ کا ہاتھ، پاؤں اور زبان سے، پھر کچھ وہ ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی ہوتی ہے اور کچھ وہ ہیں جن کی وجہ سے بندوں کے حقوق میں کوتاہی ہوتی ہے۔

سوال 89: گناہ کرنے سے دل پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

جواب: دل سیاہ اور زنگ آلود ہوجاتا ہے۔(حیات المسلمین: روح 22)

❑ گناہِ کبیرہ وصغیرہ

سوال 90: گناہ کتنے قسم کے ہوتے ہیں؟

جواب: گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں: صغیرہ اور کبیرہ۔

سوال 91: گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعریف بیان کریں۔

جواب: جس گناہ پر کوئی وعید ہو یا حد ہو یا اس پر لعنت آئی ہو یا اس کی خرابی کسی ایسے ہی گناہ کی خرابی کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا وہ گناہ براہِ تہاون فی الدین (نڈر اور بے باکی سے) صادر ہو وہ کبیرہ ہے اور اس کا مقابل صغیرہ ہے۔(بیان القرآن: نساء 31)

سوال 92: عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت سے متعلق کبیرہ گناہ بیان کریں۔

جواب: کبیرہ گناہوں کی تفصیل یہ ہے:

• عقائد سے متعلق گناہِ کبیرہ:

(1) شرک، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا۔ (2) کفر، ضروریات دین میں سے کسی امر ضروری کا انکار کرنا، کفر وشرک کی حالت میں اگر موت آ گئی تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا اور آخرت میں اس کے لیے معافی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ (3) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا، یعنی اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو ثابت نہیں۔ (4) اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہونا، یعنی اس کے عذاب اور اس کی تدبیروں سے بے خوف رہنا۔ (5) لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا۔ (6) بلا عذر تصویر بنوانا۔ (7) قرآن کریم تھوڑا یا زیادہ یاد کر کے بھلا دینا۔ (8) شرعی احکام پر تبصرہ کرنا یا انہیں خلاف مصلحت سمجھنا۔ (9) حدود شرعیہ میں کسی کی سفارش کرنا۔ (10) رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا، یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو ان سے ثابت نہیں۔ (11) جھوٹی حدیث بنانا یا معلوم ہونے کے باوجود جھوٹی حدیث نقل کرنا اور اس کا جھوٹی حدیث ہونا نہ بتانا۔ (12) کسی اعتقادی یا عملی بدعت کا ایجاد یا ارتکاب کرنا۔ اعتقادی بدعت اگر فسق تک پہنچانے والی ہو تو اس کو ایجاد کرنے والا اور ارتکاب کرنے والا مرتکب کبیرہ ہوگا اور اگر بدعت کفر تک پہنچانے والی ہو تو اس کو ایجاد کرنے والا اور ارتکاب کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ (13) قبر پر چراغ جلانا۔ (14) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا سلف صالحین کو برا بھلا کہنا۔ (15) اولیاء اللہ کو ایذاء دینا یا ان سے دشمنی رکھنا۔ (16) ظالم وفاسق لوگوں کو اچھا سمجھنا اور صلحاء سے بغض رکھنا۔ (17) تقدیر کا انکار کرنا۔ (18) طاعون

والی جگہ سے بھاگنا۔(19) کاہن یا نجومی کی بات کی تصدیق کرنا۔

- **عبادات سے متعلق گناہِ کبیرہ:**

(1) پیشاب کے قطروں سے جسم یا کپڑوں کو نہ بچانا۔ (2) جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دینا۔ (3) بلا عذر جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنا۔ (4) بلا عذر جماعت سے نماز نہ پڑھنا۔ (5) بلا عذر رمضان المبارک کے روزے نہ رکھنا۔ (6) بلا عذر رمضان المبارک کا روزہ توڑ دینا۔(7) عید الفطر، عید الاضحیٰ یا ایام تشریق میں روزہ رکھنا۔ (8) زکوٰۃ ادا نہ کرنا۔ (9) زمینی پیداوار کا عشر ادا نہ کرنا۔(10) حج فرض ادا نہ کرنا۔(11) حالتِ احرام میں خشکی کے جانور کا شکار کرنا۔(12) واجب ہونے کے باوجود قربانی نہ کرنا۔(13) ضرورت کے موقع پر علم کو چھپانا۔(14) علم پر عمل نہ کرنا۔(15) فرض ہونے کے باوجود جہاد نہ کرنا۔ (16) میدان جنگ سے بھاگنا۔(17) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا۔(18) منت پوری نہ کرنا۔(19) گناہ صغیرہ کو بار بار کرنا۔

- **معاملات سے متعلق گناہِ کبیرہ:**

☆ وہ گناہ کبیرہ جو اپنی ذات کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) خودکشی کرنا۔(2) داڑھی مونڈنا یا ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا۔(3) بالغ ہونے کے بعد ختنہ نہ کروانا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو والدین کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) والدین کی نافرمانی کرنا۔

جائز اور واجب امور میں والدین کی اطاعت فرض ہے، ناجائز اور حرام کاموں میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو میاں، بیوی کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) ادا نہ کرنے کی نیت سے مہر مقرر کرنا۔ (2) ایک سے زاید بیویاں ہونے کی صورت میں ان میں برابری نہ کرنا۔ (3) میاں بیوی کا ایک دوسرے کے حقوق واجبہ ادا نہ کرنا۔ (4) عورت کا بلا ضرورت شرعیہ خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنا۔ (5) عورت کا عدت پوری ہونے کے بارے میں غلط بیانی کرنا۔ (6) عورت کا محرم یا خاوند کے بغیر سفر کرنا۔ (7) عورت کا شوہر کی نافرمانی کرنا۔ (8) تین طلاقیں دینے کے بعد بغیر حلالہ شرعیہ سابقہ منکوحہ کو بسانا۔ (9) زیر کفالت لوگوں، یعنی بیوی بچوں وغیرہ پر استطاعت کے باوجود خرچ نہ کرنا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو اولاد کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) اولاد کو قتل کرنا۔ روح پڑ جانے کے بعد بچے کو ضائع کرانا بھی قتل اولاد میں داخل ہے۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو بہن بھائی کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) بہنوں کو وراثت میں سے حصہ نہ دینا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو رشتہ داروں کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) کسی وارث کو محروم کرنے یا کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے وصیت کرنا۔

(2) محارم و اقارب سے قطع رحمی و قطع تعلق کرنا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو حاکم و محکوم کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) مالِ غنیمت میں خیانت کرنا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو پڑوسی کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) ہمسائے کا حق ادا نہ کرنا یا اس کو تکلیف دینا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو یتیموں اور ضعیفوں کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) ناحق یتیم کا مال کھانا۔ (2) [illegible]

جان بوجھ کر غلط راستہ بتلانا۔(3) کمزور لوگوں پر دست درازی کرنا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو عام مسلمانوں کے حقوق سے متعلق ہیں:

(1) ناحق کسی کو قتل کرنا۔(2) بدفعلی کرنا۔(3) ظلم کرنا۔(4) عام گزرگاہ یا رستہ پر قبضہ جما لینا کہ جس کی وجہ سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو۔(5) مسلمان کو ایذاء دینا۔(6) جادو کرنا۔(7) کسی کو دھوکہ دینا۔(8) وعدہ کی خلاف ورزی کرنا۔(9) امانت میں خیانت کرنا۔(10) کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا۔(11) زنا کرنا۔(12) مسلمانوں کا اجتماعی یا انفرادی راز افشاء کرنا۔(13) مسلمان کی پردہ دری کرنا یا اس کے عیوب لوگوں پر ظاہر کرنا۔(14) لوگوں کے راز اور ان کی پوشیدہ باتوں پر مطلع ہونے کی کوشش کرنا۔(15) کسی کو برے القاب سے پکارنا۔(16) مسلمان کے ساتھ استہزاء یا اس کی ہتک عزت کرنا۔(17) بلا عذر شرعی کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ رنجش رکھنا۔(18) کسی مسلمان کو کافر یا اللہ کا دشمن کہنا یا اس کے علاوہ کسی اور لفظ سے گالی دینا۔(19) مسلمان کے سلام کا جواب نہ دینا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو کمائی سے متعلق ہیں:

(1) جوا کھیلنا۔(2) حرام مال کمانا۔(3) ڈاکہ ڈالنا۔(4) لوگوں سے اسلحہ وغیرہ کے زور پر مال بٹورنا یا ناحق ٹیکس وصول کرنا۔(5) جس شخص کے پاس روزمرہ کی ضروریات کا انتظام ہو اس کا سوال کرنا اور لوگوں سے مانگتے پھرنا۔(6) کسی کا مال اچک کر لے جانا۔(7) سود کھانا۔(8) سود کھلانا۔(9) سودی معاملہ کرنا۔(10) سود پر گواہ بننا۔(11) رشوت لینا۔(12) رشوت دینا، اگر حصول حق یا دفع ضرر رشوت دیے بغیر ممکن نہ ہو تو مجبوراً رشوت دینا جائز ہے، رشوت لینا بہر صورت حرام ہے۔(13) معاہدہ کی پابندی نہ کرنا۔(14) کسی چیز یا رقم کی ادائیگی کی مدت پوری ہونے پر قدرت کے باوجود ادائیگی نہ کرنا اور

ٹال مٹول کرنا۔ (15) امانت کے طور پر رکھوائی ہوئی چیز کو بلا اجازت مالک استعمال کرنا۔ (16) رہن رکھوائی ہوئی چیز کو استعمال کرنا۔ (17) کسی کے سودے پر سودا کرنا۔ (18) ناپ تول میں کمی کرنا۔ (19) زمین سیراب کرنے کے لیے اپنے حصہ سے زاید پانی لینا۔ (20) گری پڑی چیز ذاتی استعمال میں لانے کی نیت سے اٹھانا۔ (21) کسی کے خلاف ناحق دعویٰ کرنا۔ (22) کسی کو ناحق مقدمہ میں پھنسانا۔ (23) بلا عذر شرعی گواہی کو چھپانا۔ (24) کسی منصب سے اہل کو معزول کر کے نااہل کو مقرر کرنا۔ (25) جج کا جان بوجھ کر غلط فیصلہ کرنا۔ (26) کسی کی منگنی پر منگنی کرنا۔ (27) تقاضا اور استطاعت کے باوجود نکاح نہ کرنا۔

● اخلاقیات سے متعلق گناہِ کبیرہ:

(1) جھوٹ بولنا۔ (2) جھوٹی قسم کھانا۔ (3) غیبت کرنا۔ (4) صدقہ خیرات کر کے احسان جتلانا۔ (5) چغل خوری کرنا۔ (6) کسی پر بہتان لگانا۔ (7) تکبر کرنا۔ (8) حسد کرنا۔ (9) کینہ رکھنا۔ (10) فساق کی مجلس میں بوقت ارتکاب فسق جانا اور وہاں بیٹھنا۔ (11) دینی علوم دنیا کی خاطر پڑھنا، پڑھانا۔ (12) ریاء، یعنی نیک اعمال میں دکھلاوا کرنا۔ (13) پریشانی اور مصیبت کے وقت بے صبری کا مظاہرہ کرنا، نوحہ کرنا، ماتم کرنا، کپڑے پھاڑنا یا بددعا کرنا۔ (14) اپنا نسب یا قوم تبدیل کرنا۔ (15) دیوث، یعنی بے غیرت ہونا۔

● معاشرت سے متعلق گناہِ کبیرہ:

☆ وہ گناہ کبیرہ جو کھانے اور پینے سے متعلق ہیں:

(1) شراب پینا۔ (2) حرام مال کھانا یا کھلانا۔ (3) سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا (4) نوش کرنا۔ (5) اسراف یعنی فضول خرچ کرنا

☆ وہ گناہ کبیرہ جو لباس اور پردہ سے **متعلق** ہیں:

(1) مرد کا سونے کی انگوٹھی وغیرہ پہننا۔ **(2)** مرد کا خالص ریشم پہننا۔ **(3)** ستر نہ چھپانا۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے اور عورت کا پورا جسم ستر ہے، سوائے ہتھیلیوں، چہرے اور پاؤں کے۔ عورت کے لیے چہرے کا چھپانا ستر کے طور پر نہیں بلکہ حجاب اور پردے کے طور پر ضروری ہے۔ **(4)** عورت کا ایسا باریک لباس پہننا جس سے جسم کی رنگت معلوم ہوتی ہو یا ایسا چست لباس پہننا جس سے جسم کی ہیئت معلوم ہوتی ہو۔ **(5)** مرد کا شلوار یا لنگی وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔ **(6)** مردوں کا عورتوں جیسی شکل وشباہت اختیار کرنا اور عورتوں کا مردوں جیسی شکل وشباہت اختیار کرنا۔

☆ وہ گناہ کبیرہ جو عورتوں سے **متعلق** ہیں:

(1) اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا۔ **(2)** ایسی عورت جس سے نسب کی وجہ سے یا سسرالی رشتے کی وجہ سے یا رضاعت کی وجہ سے نکاح کرنا حرام ہے، اس سے نکاح کرنا۔ **(3)** عورت کا بے پردہ ہو کر باہر نکلنا۔ **(4)** عدت والی عورت کا بلا ضرورت شرعیہ گھر سے باہر نکلنا۔ **(5)** عدت وفات والی عورت کا عدت کی مدت تک بناؤ سنگھار وغیرہ سے اجتناب نہ کرنا۔ (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ از مفتی طاہر مسعود صاحب)

❑ گناہوں سے توبہ کا طریقہ

سوال **93**: گناہوں سے توبہ کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: گناہوں سے توبہ کا طریقہ:

- جن گناہوں میں مبتلا ہیں انہیں فوراً چھوڑ دیں۔
- گزشتہ گناہوں پر ندامت، افسوس ہو اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ، پکا عزم

ہو بہتر ہے کہ غسل کر کے دو رکعت صلوٰۃ التوبہ بھی پڑھیں۔

- حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام ابھی سے شروع کر دیں۔
- عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ) میں جو کوتاہی ہوئی اس کی قضا و تلافی شروع کر دیں صرف زبانی توبہ واستغفار کافی نہیں۔
- کسی سے لڑائی جھگڑا ہو گیا ہو یا برا بھلا کہہ دیا ہو یا کوئی اور حق تلفی ہو گئی ہو تو ان سے، اسی طرح جن سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے ان سے بھی معافی مانگیں، کہا سنا معاف کرائیں، صلح صفائی کر کے دل صاف کریں، خصوصاً والدین، عزیز، رشتہ دار ناراض ہوں تو انہیں راضی کریں۔
- کسی کا مالی حق ذمہ میں ہو تو جس قدر ممکن ہو اسے ادا کریں، اہلِ حق زندہ نہ ہوں تو ان کے ورثاء کو ادا کریں، ورثاء معلوم نہ ہوں تو حق والوں کی طرف سے اتنا مال صدقہ کریں۔

اگر فوری ادائیگی مشکل ہو تو مناسب انتظام کریں مثلاً وصیت لکھ دیں کہ فلاں فلاں کو اتنا اتنا دینا ہے اور اپنے لین دین کا سارا حساب کسی قابل اعتماد شخص کے سپرد کریں۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: مادہ: توبہ: آثار التوبہ)

چھٹا باب: قضاء وقدر پر ایمان

- تقدیر کی حقیقت
- تقدیر اور اسلام کا واضح موقف
- تقدیر پر ایمان کے 5 فوائد

چھٹا باب: قضاء وقدر پر ایمان

❑ تقدیر کی حقیقت

سوال 94: تقدیر کی حقیقت کیا ہے؟

اب: کائنات کی ہر چیز کی پیدائش وموت، اس کے اچھے برے اعمال اوران کا انجام، غرض جو کچھ بھی عالم میں بُرا بھلا ہوتا ہے، سب کو اللہ تعالیٰ، اس کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہمیشہ سے جانتا ہے اوراس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ایک جگہ لکھ دیا ہے، اسی کا نام تقدیر ہے اس کے خلاف کوئی پتا بھی کت نہیں کرتا ورنہ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے علم کا غلط ہونا لازم آئے گا جو محال اور ناممکن ہے۔ تقدیر پر ایمان لانا بھی مؤمن ہونے کے لیے ضروری ہے، کوئی شخص تقدیر پر ایمان لائے بغیر مؤمن نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے تقدیر کے بارے میں زیادہ بحث ومباحثہ کرنے سے امّت کو منع فرمایا ہے، اس لیے اس کے بارے میں بحث ومباحثہ نہ کرنا چاہیے۔

❑ تقدیر اور اسلام کا واضح مؤقف

سوال 95: تقدیر پر ایمان لانے کے متعلق اسلام اور دیگر اقوام میں کیا فرق ہے؟

اب: آنحضرت ﷺ کی بعثت کے پہلے تمام مذاہب کی دو نوعیتیں تھیں یا تو ان کو اس مشکل (یعنی تقدیر کا مسئلہ) کی خبر ہی نہیں تھی یا تھی تو خدا کی قدرتِ

اور مجبور نظر آتا تھا یا یہ کہ تناسخ کے چکر میں اس کو پھنسا کر اس کی زندگی کو اس
کے پچھلے جنم کے کرموں کے ہاتھوں گرو کر دیتے ہیں یا پھر اس سے بچے تو
انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا۔

تمام انبیاء میں آنحضرت ﷺ ہی کی شخصیت ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے
اس دیرینہ راز کے چہرہ سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو صداقتیں ہیں اور دونوں اپنی
اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے،
آسمان و زمین اور بر و بحر میں کوئی چیز نہیں جو اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی
کر سکے، اس طرح انسان اور اس کے تمام اعمال بھی اس کی قدرت اور مشیت کے ماتحت
ہیں، یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذہب کی اور خصوصاً اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہ ہو تو مذہب کی
قوت بے اثر ہو کر رہ جائے اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آجائے جس کے اختیارات محدود، جس
کی قدرتیں ناقص اور جس کی شہنشاہی ناتمام ہو۔

دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی مگر انسان کو اپنے اعمال کے
کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح اختیار ضرور بخشا گیا ہے، اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے اور
انسان کو اسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے جس طرح دوسری مخلوقات ہیں تو پھر انسان کے
لیے خیر و شر کا امتیاز جزا و سزا شریعت، کتاب، تعلیم اور انبیاء کی بعثت یہ تمام چیزیں بیکار محض
ہو جائیں، ظلم و انصاف دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے انسان کا اپنے کسی فعل پر قابل مدح یا
قابل ملامت ہونا بے معنی ہو جائے، کسی اچھے کام پر خدا کا اس کا انعام اور برے کام پر
عذاب دینا سراسر ظلم بن جائے بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ
ٹھہرے۔

الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر

قدرت تامہ حاصل ہے اور اس کی مشیت وارادہ ہر جز وکل پر حاوی ہے اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے نیکی کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا اور بدی کے کاموں پر ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے اور اسی کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزاء وسزا پانے کا مستحق ٹھہرے گا اسی پر وہ فطرت کے سامنے دنیا کی عدالت میں اور آخرت میں بھی مواخذہ اور باز پرس کی ذمہ داری میں گرفتار ہے اور اسی کے لیے خدا کی طرف سے اس کے پاس ہدایت کی کتاب اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا صحیفہ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے جس نے ان دونوں صداقتوں کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے اور ان کی تبلیغ کی ہے، ایک طرف وہ کہتا ہے کہ ”خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی نہیں گر سکتا۔“ اور دوسری طرف وہ کہتا ہے۔ ”ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھوں گرو ہے۔“ یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار اور ناقابل رد مشیت کے باوجود اس نے خود اپنے اختیار، خود اپنی مشیت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی، یہی ارادہ اور اعضاء کو اس کے مطابق حرکت دے سکنے کی محدود قدرت، اس کی ذمہ داری، تکلیف، باز پرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے اور اسی پر اس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے، اس لیے انسان پر اس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں جو اس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو بلکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور و بے اختیار رہا۔ (**انما الاعمال بالنیات**) اس تطبیق سے نہ تو خدائے پاک کی قدرت واختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے اور نہ انسان کا تمام تر مجبور ہونا لازم آتا ہے، خدا جب چاہے انسان سے اپنے دیے ہوئے اختیار اور بخشی

ہوئی قدرت کو چھین لے مگر ایک وقتِ مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اس کو اس اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا۔

فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر

جو چاہے مومن بنے جو چاہے کافر بنے

قرآن کریم کی بہت ساری آیتوں سے وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی بداعمالی مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، مہر اور بیماری فرمانا مؤخر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، مہر اور بیماری کا اترنا علت اور انسانوں کا کفر و گناہ نفاق معلول نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کا فسق، کجی، زنگ، کفر، انصراف (پھر جانا) نادانی اور قلب کی بیماری ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے اس کے جواب میں ضلالت و گمراہی اور دل پر مہر بعد میں لگتی ہے اور یہی طبعی اصول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے اور غمگین ہوتا ہے، تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہیں، اگر کوئی اس کو الٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی۔

(سیرت النبی ﷺ: 472/4)

☐ تقدیر پر ایمان کے 5 فوائد

سوال 96: تقدیر پر یقین کے کتنے فائدے ہیں؟

ج: تقدیر پر یقین کے پانچ فائدے ہیں۔

(1) جب بھی کوئی مصیبت اور پریشانی کا واقعہ ہو تو دل مضبوط رہے گا اور یوں ہی سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اس کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس مصیبت کو دفع کر دے گا۔

(2) جب یہ اعتقاد مضبوط ہوگیا تو اگر پریشانی دور ہونے میں دیر بھی لگ جائے تب بھی پریشان اور دل برداشتہ نہیں ہوگا۔

(3) تقدیر پر یقین حاصل ہونے کے بعد مصیبت کو دفع کرنے کے لئے کوئی ایسی تدبیر اختیار نہیں کرے گا کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو بلکہ یوں سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کے چاہے بغیر تو مصیبت ٹل نہیں سکتی پھر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا کیا فائدہ۔

(4) تقدیر پر یقین کے بعد یہ شخص تمام تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا میں بھی مشغول ہوگا۔

(5) جب تقدیر پر یقین ہوگا کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے کوئی کسی مقصد میں کامیابی کو اپنی تدبیر یا سمجھ کا نتیجہ سمجھ کر فخر وغرور میں مبتلاء نہ ہوگا۔

الغرض تقدیر پر یقین کا فائدہ یہ ہے کہ:

(1) دل مضبوط رہے گا۔

(2) پریشانی نہیں ہوگی۔

(3) خلاف شرع تدبیر سے بچے گا۔

(4) تدبیر کے ساتھ دعاء بھی کرے گا۔

(5) کامیابی کے بعد اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھ کر فخر وغرور نہیں کرے گا۔

(حیات المسلمین: روح پنجم)

ساتواں باب: رسوم وبدعات

- بدعت کی حقیقت
- بدعت کی تردید
- بدعت کے نقصانات
- بدعت کی آگاہی
- شرکیہ بدعات
- شادی بیاہ سے متعلق رسوم وبدعات

● ساتواں باب: رسوم وبدعات

❑ بدعت کی حقیقت

سوال 97: بدعت کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دین کی سب باتیں قرآن وحدیث میں بندوں کو بتادیں اب کوئی نئی بات دین میں نکالنا درست نہیں ایسی کسی بات کو بدعت کہتے ہیں۔ بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔

❑ بدعت کی تردید

سوال 98: بدعت کے بارے میں حدیث میں کیا وعید آئی ہے؟

اب: جوحضور ﷺ نے فرمایا کہ جوکوئی ہمارے اس دین میں وہ کام جاری کرے جو اس میں نہیں ہے وہ کام مردود ہے (بخاری/مسلم)

نیز حدیث میں آتا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہ کرا کے ہلاک کیا (یعنی دوزخ کا مستحق بنایا) تو انہوں نے مجھے اس طرح ہلاک کردیا کہ گناہ کر کے توبہ کرلی (اور میری محنت پر توبہ کر کے پانی پھیردیا) جب میں نے یہ ماجرا دیکھا تو میں نے ایسے عمل جاری کردیے جو نفسوں کی خواہشوں کے موافق ہیں (اور حقیقت میں گناہ ہیں، اب وہ ان کاموں کو چونکہ نیکی سمجھتے ہیں) اس لیے اپنے آپ کو ہدایت پر جانتے ہیں لہٰذا استغفار نہیں کرتے۔

سوال 99: بدعت کے غلط ہونے کو عقلی دلیل سے واضح کریں؟

ترمیم اور اضافہ کی گنجائش نہیں تو اب اس میں کسی بدعت کا نکالنا اور اپنی طرف سے کسی کام کو دین میں داخل کرنا جو دین میں نہیں ہے اس کی نہ ضرورت ہوئی اور نہ کوئی فائدہ اسی وجہ سے امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ جس نے بدعت کا کام کیا گویا اس نے یہ سمجھا کہ محمدا نے اللہ کے حکم پہنچانے میں غلطی کی ہے (اور پورا دین نہیں پہنچایا لہٰذا میں اپنی طرف سے کوئی عمل جاری کر کے ناقص دین کی تکمیل کرتا ہوں)

سوال **100**: مندرجہ ذیل حدیث میں حضور ﷺ نے کتنی چیزوں کا حکم فرمایا ہے؟

اب: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ نے (بہت سے) فرائض مقرر فرمائے ہیں سوان کو تم ضائع نہ کرو، اور اس نے بہت سی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے سوان کا ارتکاب نہ کرو، اور اس نے حدود مقرر فرمائی ہیں سوان سے آگے مت بڑھو، اور اس نے بہت سی چیزوں کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے یہ خاموشی بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے سوان کو مت کریدو۔

(مشکوۃ المصابیح، ص32 عن الدار قطنی)

اس حدیث میں حضور ﷺ نے چار چیزوں کا حکم فرمایا ہے **(1)** فرائض کی پابندی **(2)** محرمات سے بچنا **(3)** حدودِ خداوندی سے آگے نہ بڑھنا **(4)** جن چیزوں کے حلال وحرام کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ان میں کھود کرید سے بچنا۔

سوال **101**: کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ فرائض اور محرمات جو قرآن میں بیان کردیے گئے

اب: نہیں بلکہ فرائض ومحرمات قرآن مجید میں بھی ہیں اور حدیث شریف میں بھی، فرقہ منکرینِ حدیث جو یہ کہتا ہے کہ صرف قرآن پر عمل کر لینا کافی ہے یہ جہالت اور بے دینی کی بات ہے۔

سوال 102: قرآن کریم کے حلال وحرام کے علاوہ حضور ﷺ کی احادیث میں بیان کردہ حلال وحرام پر بھی عمل کرنا ضروری ہے اس کو دلیل سے بیان کریں؟

جواب: **(1)** اور رسول ﷺ جو کچھ تم کو دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ (سورہ حشر:7)

(2) آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔ (سورہ آلِ عمران:31)

(3) حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے اٹکل سے یوں کہے کہ اللہ نے اس کے سوا کچھ حرام نہیں کیا جو اس قرآن میں ہے، خبردار! یقین جانو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے بہت سی چیزوں کا حکم دیا ہے اور بہت سی نصیحتیں کی ہیں اور بہت سی چیزوں سے میں نے روکا ہے اور یہ سب تعداد میں قرآن کے احکام کے برابر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ (ابوداؤد)

سوال 103: حدود اللہ (اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود) سے آگے بڑھنے کی 10 صورتیں بیان کریں اور ہر ایک کی مثالوں سے وضاحت کریں؟

جواب: **(1)** اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے، اس کو اپنے اوپر حرام کر لینا، جیسے کچھ لوگ بعض پھلوں کے متعلق طے کر لیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کھائیں گے یا کسی اور طرح سے حرام کر لیتے ہیں، ایسی بہت سی رسمیں آج لوگوں

میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ میں (جسے عورتیں خالی کا مہینہ کہتی ہیں) اور محرم و صفر میں شادی کرنا شریعت (دین اسلام) میں خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان میں شادی کرنے سے بچتے ہیں، ماہ محرم میں میاں بیوی والے تعلقات سے بچتے ہیں اور بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور عملاً اس کو حرام بنا رکھا ہے، یہ سب حدود سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے حرام وحلال مقرر فرمانے کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔

(2) جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی نہ ہو اسے تقرب کا باعث سمجھ لیں۔ مثلاً قبروں کا طواف جو شرک ہے یا نہ بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ۔

(3) جو چیز شریعت میں ضروری نہیں ہے اگرچہ مباح ہو عملاً یا اعتقاداً فرض کا درجہ دے دیں اور جو اسے نہ کرے اس پر لعن طعن کریں، مثلاً شب برات کا حلوہ اور عیدالفطر کی سویاں کہ شرعاً ان دونوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے مگر لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور جو نہ پکائے اس کو نکو بننا پڑتا ہے، بیاہ شادی اور مرنے جینے میں بے شمار ایسی رسمیں کی جاتی ہیں جن کو فرض کا درجہ دیا جاتا ہے اور شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں بلکہ بعض ان میں شرکیہ رسمیں ہیں۔

(4) عمومی چیز کو جو [illegible] وقت مستحب [illegible] کسی خاص وقت [illegible] کے ساتھ مخصوص [illegible]

کرلیں، مثلاً نماز فجر اور نماز عصر کے بعد امام سے مصافحہ کرنا اور عید الفطر و بقرہ عید کے دن نماز عید پڑھ کر گلے ملنا اور مصافحہ کرنا، مصافحہ بڑے ثواب کی چیز ہے اور ملاقات کی سنت ہے نہ کہ عید کی، اس کو کسی خاص وقت کے لیے مقرر کرنا اور عمل سے فرض یا واجب کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے۔

(5) کسی عمل کے بارے میں وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جیسے دعائے گنج العرش اور درود لکھی کی فضیلتیں گھڑ رکھی ہیں۔

(6) کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب وترتیب تجویز کر لی جائے، مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لینا (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) اس کی پابندی کرنا، یا سورتوں کی تعداد مقرر کر لینا جیسے تہجد کی نماز سے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں 12 مرتبہ قل ہواللہ پڑھی جائے اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ گھٹاتا جائے یہ لوگوں نے خود تجویز کیا ہے، اسی طرح ہفتہ بھر کے دنوں کی نمازیں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور ان کی مخصوص ترکیبیں لوگوں نے بنالی ہیں، یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

(7) کسی ثواب کے کام کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص کر لینا (جس کی تخصیص شریعت سے ثابت نہ ہو) یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ قبر پر غلہ یا روٹی تقسیم کرتے ہیں ثواب ہر جگہ سے پہنچ سکتا ہے، پھر اس میں اپنی طرف سے قبر پر ہونے کو طے کر لینا اور یہ سمجھنا کہ یہاں تقسیم کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا، حدود اللہ سے آگے

بڑھ جانا ہے

(8) بعض کھانے کی چیزوں کے متعلق اپنی طرف سے یہ تجویز کرلیا جائے کہ اسے فلاں شخص کھا سکتا ہے اور فلاں نہیں کھا سکتا جیسے مشرکین مکہ کیا کرتے تھے، یہ سب خرافات اور اپنی ایجادات ہیں۔

(9) اپنی طرف سے کسی گناہ کا مخصوص عذاب تجویز کرلیا جائے جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں مذکور نہ ہو، جیسا کہ بہت سے واعظ بیان کرتے پھرتے ہیں۔

(10) کسی چیز کے متعلق یہ طے کرلیا جائے کہ اس کا حساب نہ ہوگا، جب کہ حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو، جیسے مشہور ہے کہ رمضان شریف کے آخری جمعہ کو نیا کپڑا، نیا جوتہ پہن لیا جائے تو وہ بے حساب ہو جاتا ہے اسی لیے بعض لوگ بہت سے جوڑے اس روز پہن لیتے ہیں۔ یہ سب غلط اور لغو ہے۔

سوال **104**: اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے پر قرآن میں کیا وعید آئی ہے؟

جواب:

(1) تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا (بقرہ آیۃ 187)

یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا۔

(2) تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (بقرہ آیۃ 229)

یہ اللہ کی حدود ہیں سو ان سے آگے مت نکلنا اور جو اللہ کی حدود سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

(3) وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ،

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَه،عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

(نساء آیۃ 14)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری نہ کرے
اور اس کی حدود سے آگے بڑھ جائے، اللہ اس کو آگ میں
داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے
ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

سوال 105: اوپر ذکر کردہ حدیث میں جو چوتھی چیز بیان کی گئی ہے اس کی مختصر تشریح کریں؟

ج: جو حضور ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ شانہ، نے بہت سی چیزوں کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے جو بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے سو ان کو مت کریدو) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال بتائی ہیں ان کو حلال سمجھو اور جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو عقیدہ اور عمل سے حرام سمجھو، یعنی حلال وحرام کے قواعد بھی بتا دیے گئے ہیں، بوقت ضرورت ان قواعد سے کام لو، اور جن چیزوں کے متعلق کوئی حکم صادر نہیں فرمایا تم خواہ مخواہ ان کی کرید میں مت پڑو۔

سوال 106: جن چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر صراحتاً قرآن میں نہ ہو اور قواعد سے بھی ان کے حرام ہونے اور ناجائز ہونے کا فتویٰ نہ ملے تو ان کو جائز سمجھا جائے گا یا ناجائز؟

ج: جو حضور ﷺ پورا کامل ومکمل دین ہم کو دے کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔

کے متعلق صریح حکم موجود نہیں ہے قواعد سے ان کی حلت وحرمت اور جواز و عدم جواز کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ قواعد قرآن وحدیث میں بیان کردیے گئے ہیں۔ لہٰذا جن چیزوں کا حکم صریح قرآن وحدیث میں نہ ملے اور قرآن وحدیث کے قواعد کے ماتحت ان کی حرمت اور عدم جواز کا فتویٰ نہ ملے ان کو جائز سمجھا جائے گا، مثلاً ہم بہت سی ترکاریاں کھاتے ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں اور قواعد شریعہ سے ان کی حرمت بھی ثابت نہیں اس لیے ان کا کھانا جائز ہے، اسی طرح ریل، ہوائی جہاز، بس کی سواری اور ان دواؤں کا حکم جن کی ممانت خصوصی یا قواعد کی رو سے نہیں نکلتی ان کا استعمال درست ہے۔ (''تحفہ خواتین'' از مولانا عاشق الٰہیؒ)

❑ بدعت کے نقصانات

سوال **107**: بدعت کے نقصانات بیان کریں؟

جواب: **(1)** بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔ **(2)** بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی کیونکہ وہ بدعت کو گناہ ہی نہیں سمجھتا۔

❑ بدعت کی آگاہی

سوال **108**: بدعت کی تفصیلات جاننے کے لیے کس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے؟

اب : بہشتی زیور کا چھٹا حصہ، اور اصلاح الرسوم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

❑ شرکیہ بدعات

سوال **109**: بدعت والے اعمال کتنے ہیں؟

بلکہ بے شمار ہیں اور ہر ملک اور صوبہ میں علیحدہ علیحدہ بدعتیں ہیں۔

سوال **110**: بدعت والے اعمال کی کچھ مثالیں بیان کریں؟

اب: تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی ثواب پہنچانے کے گھڑے ہوئے خود ساختہ طریقے، قبروں کے عرس، قبروں پر چادریں یا پھول چڑھانا، قبروں کو غسل دینا، پختہ بنانا، قبروں پر روٹیاں یا غلہ تقسیم کرنا، شبِ برات کا حلوہ، حضرت جعفرؒ کے کونڈے، حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں، مولود میں قیام، بی بی جی کی صحنک وغیرہ۔

سوال **111**: مزید شرکیہ بدعات بیان کریں۔

جواب: مزید شرکیہ بدعات یہ ہیں:

- **پیر کو سجدہ کرنا:**

پیر کو سجدہ کرنا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی ولی اور بزرگ کو سجدہ کرنا جائز نہیں، بلکہ ممنوع اور حرام ہے، سجدہ کرنے والا اور اس کی اجازت دینے والا دونوں سخت ترین گناہ گار ہیں۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب سجدہ عبادت کے طور پر نہ کیا جائے اور عبادت کے طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا کفر ہے۔(امداد المفتین :1/93-1/163)

- **قبروں پر سجدہ اور طواف:**

کسی ولی اور بزرگ کی قبر کا طواف کرنا یا اس پر سجدہ کرنا ناجائز وحرام ہے۔

(امداد المفتین :1/102)

- **قبر کو بوسہ دینا:**

والدین سمیت کسی کی بھی قبر کو بوسہ دینا، اس پر رخسار رکھنا ممنوع اور ناجائز ہے، اس لیے

کہ اس میں سجدہ کے ساتھ مشابہت ہے جو جائز نہیں۔(امدادالمفتین:102/1)

- **پاؤں چومنا:**

جھک کر کسی کے پاؤں چومنا جائز نہیں،اس لیے کہ یہ سجدہ کرنے کے مشابہ ہے۔
(امدادالمفتین:102/1)

- **جھک کر ملنا:**

حدیث میں ملتے وقت کسی کے سامنے جھکنے سے صریح ممانعت وارد ہے،صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:''اے اللہ کے رسولﷺ! جب ہم آپس میں ملتے ہیں تو کیا ایک دوسرے کو جھک کر مل سکتے ہیں؟''فرمایا:''نہیں۔''

- **بکرے کا خون ٹائروں پر لگانا:**

آفات ومصائب اور بیماریوں سے حفاظت کے لیے مساکین پر صدقہ کرنا اچھی بات ہے،نیز کوئی جانور ذبح کر کے اس کا گوشت مساکین کو بطور صدقہ دینا بھی ٹھیک ہے،مگر ذبح شدہ جانور کا خون گاڑی کی مختلف جگہوں میں لگانا اور جانور میں کالے یا کسی اور رنگ میں اضافی اثرات سمجھنا جہالت ہے،اگر اس کو ثواب اور دین کا کام سمجھا جاتا ہے تو یہ بدعت اور گناہ ہے۔
اس کے علاوہ بعض مواقع مثلاً: بیماری یا نئی گاڑی خریدنے یا نیا مکان بنانے پر عموماً جانور ذبح کرنا ہی ضروری سمجھا جاتا ہے،یہ دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے،صدقہ کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ نقدی مساکین کو دی جائے تاکہ وہ اپنی اہم ضرورت پوری کر سکیں، نیز اس صورت میں رِیاء کا بھی زیادہ خطرہ نہیں۔

- **بیماری سے شفاء کے لیے بکرا ذبح کرنا:**

آفات اور بیماری سے حفاظت کے لیے صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب آئی ہے،مگر عوام

کا اس بارے میں یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ صدقہ کے جانور کو ذبح کرنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، جبکہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ عوام کی خود ساختہ بدعت ہے، اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو بھی اس میں چونکہ غلط عقیدہ اور بدعت کی تائید ہے، اس لیے جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: 367/1)

● چیلوں کو گوشت پھینکنا:

بعض علاقوں میں بیمار کی طرف سے بکرا صدقہ کر کے اس کا گوشت چیلوں کو پھینکا جاتا ہے تاکہ آسانی سے اس کی روح نکل جائے یا اللہ تعالیٰ صدقہ کی برکت سے اسے شفاء عطا فرمادے، یہ محض جاہل لوگوں کی خرافات میں سے ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ اس قسم کے ٹونے ٹوٹکے ہندوؤں سے لیے گئے ہیں، اس کا بہت سخت گناہ ہے، اس لیے اس سے بچنا لازم ہے، البتہ ویسے ہی صدقہ دینا ثابت ہے اور اس سے آفت ٹلتی ہے اور نقدی کی صورت میں صدقہ کرنا زیادہ افضل ہے، یعنی کچھ رقم کسی مسکین کو دے دی جائے یا کسی خیر کے کام میں لگا دی جائے۔ (احسن الفتاویٰ: 366/1)

● بارش کے لیے مزارات پر جانور ذبح کرنا:

بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ بارش طلب کرنے یا کسی اور حاجت کے لیے لوگ بزرگوں کے مزارات پر جانور ذبح کرتے ہیں، یہ فعل بدعت اور ناجائز ہے۔ اگر جانور اس مزار والے بزرگ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہے اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں اور اگر قرب کی نیت نہ ہو تو اگرچہ وہ جانور حرام نہیں، لیکن یہ فعل خود خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس سے بچنا واجب ہے۔

(خیر الفتاویٰ: 551/1، امداد المفتین: 197/2)

☐ شادی بیاہ سے متعلق رسوم وبدعات

سوال **112**: شادی بیاہ سے متعلق رسوم وبدعات بیان کریں۔

جواب: عموماً شادی بیاہ میں یہ رسوم اور بدعات ہوتی ہیں:

• محرم میں شادی بیاہ کو ممنوع سمجھنا:

بعض لوگ محرم میں شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات کو ممنوع سمجھتے ہیں اور اس ماہ کو غم کا مہینہ قرار دیتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں، حضرت حسینؓ کی شہادت کا غم ایسی چیز نہیں کہ صرف اس دن یا صرف اسی ماہ میں ہوا کرے، بلکہ وہ ہر مسلمان کو ہر وقت ہوتا ہے لیکن غم کا دن منانا شریعت میں جائز نہیں، نیز شوہر کے سوا کسی اور کی موت پر سوگ کی شرعاً اجازت نہیں، لہٰذا دس محرم یا محرم کے دیگر ایام میں شادی بیاہ جائز ہے۔

(امداد المفتین :156/2)

• سہرا باندھنا:

شادی میں دولہا کے سر پر سہرا باندھنے کی رسم ہندوؤں سے لی گئی ہے، مسلمانوں کے لیے ہندوانہ شکل وصورت اختیار کرنا جائز نہیں، لہٰذا سہرا باندھنے سے اجتناب لازم ہے۔

(کفایت المفتی :49/4، خیر الفتاویٰ :567/1)

• شادی کی چند قبیح رسمیں:

شادی میں مہندی، سہرا بندی، جوتا چھپائی، دودھ پلائی وغیرہ یہ سب ہندوانہ رسمیں ہیں، شادی جیسی مبارک خوشی کو ان جیسی ہندوانہ رسوم سے آلودہ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ شادی سنت کے مطابق انتہائی سادگی سے انجام دینی چاہیے، البتہ اگر شادی کے موقع پر عورتیں اپنے طور پر مہندی لگا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل کا حل :165/1)

- **شادی کے بعد پہلا رمضان میکے میں گزارنا:**

شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شریعت کی طرف سے آزادی ہے، لڑکی شوہر کی مرضی سے چاہے میکے میں رمضان گزارے یا شوہر کے گھر گزارے۔ شریعت کی دی ہوئی اس آزادی کو اپنی طرف سے ختم کرنا اور لڑکی اور اس کے شوہر کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس رسم پر مجبور کرنا غلط ہے، ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ (آپ کے مسائل کا حل: 165/1)

- **منگنی یا شادی کے موقع پر مٹھائی اور کپڑوں کا لین دین:**

عموماً ایسے مواقع پر مٹھائی اور کپڑے وغیرہ دینے کو لازم سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے والے کو ملامت کی جاتی ہے، چنانچہ ملامت کے خوف سے غریب آدمی قرض لے کر یا ناجائز طریقوں سے کما کر ان رسموں کو پورا کرنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ نیز یہ چیزیں قرض سمجھ کر دی اور لی جاتی ہیں، پھر دوسرے موقع پر واپس کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے، اس لیے اس قسم کی رسموں سے احتراز لازم ہے، البتہ اگر کہیں مذکورہ قباحتیں نہ ہوں اور حسب استطاعت رسم سے مجبور ہوئے بغیر خوشی سے ایسا کیا جائے تو جائز ہے۔ (آپ کے مسائل کا حل: 166/1)

- **رسم جہیز کی شرعی حیثیت:**

شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی استطاعت کے مطابق کوئی تحفہ دینا چاہے تو دے دے، لیکن نہ وہ شادی کے لیے کوئی لازمی شرط ہے، نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا مانیں یا لڑکی کو طعنہ دیں اور نہ یہ کوئی دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقع پر اس کی نمائش کر کے اپنی

شان و شوکت کا اظہار کیا جائے

مگر آج کل شادی کے موقع پر جہیز کے نام سے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ نمود ونمائش کے لیے اور لوگوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے اور لازم سمجھ کر دیا جاتا ہے۔قرض لے کر دینا اس کی دلیل ہے،اس معاشرتی بگاڑ کا نتیجہ یہ ہے کہ غریب والدین کے لیے اپنی بچیوں کا نکاح کرنا وبال جان بن گیا ہے۔(آپ کے مسائل کا حل:167/1)(تسہیل بہشتی زیور)

آٹھواں باب: فقہ، اجتہاد وتقلید

- فقہ کی تعریف
- فقہ کے ماخذ
- وضاحت نمبر 1 اور نمبر 2
- تقلید کا معنیٰ ومطلب
- تقلید کا ثبوت
- کن مسائل میں تقلید ہوتی ہے
- کون کس کی تقلید کرے گا
- اماموں کی تقلید کا حکم قرآن وحدیث میں ہے؟ یا اماموں نے خود دیا تھا
- اماموں سے پہلے کن کی تقلید ہوتی تھی
- ایک ہی امام کی تقلید کیوں ضروری ہے
- کیا اب کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوسکتا؟
- جو تقلید نہیں کرتے ان کا کیا حکم ہے
- تقلید کے مسئلہ پر اردو زبان میں کتابیں

آٹھواں باب: فقہ، اجتہاد و تقلید

❑ فقہ کی تعریف

سوال **113**: فقہ کی تعریف کیا ہے؟

جواب: ● **فقہ کا لغوی معنی:**

کسی کام کو کھولنا، اس کو واضح کرنا اور کسی چیز کو جاننا ہے، اسی سے فقیہ ہے۔

● **فقیہ کی تعریف:**

فقیہ اس عالم دین کو کہا جاتا ہے جو شرعی احکامات کو کھول دے ان کو واضح کردے اور ان کے حقائق کا سراغ لگائے، اسی طرح مسائل کی پیچیدگیاں دور کرے اور انہیں سلجھائے۔

● **فقہ کی اصطلاحی تعریف:**

علم بالمسائل الشرعية العملية

فقہ شریعت کے عملی مسائل کے جاننے کا نام ہے۔ (شرح المجلۃ: 1/8)

❑ فقہ کے ماخذ

سوال **114**: فقہ کے عملی مسائل کہاں سے حاصل کیے گئے ہیں؟ ان کے دلائل کیا ہیں؟

جواب: ● فقہ کے یہ عملی مسائل **(1)** قرآن **(2)** حدیث **(3)** اجماع **(4)** قیاس سے ماخوذ ہیں۔

● الغرض شریعت کے مسائل ان مذکورہ چار دلائل سے ثابت ہوتے ہیں۔

میں معتبر ہوگا اور جو مسئلہ ان چاروں میں سے کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہ ہو وہ دین نہیں ہے اس کو نہیں لیا جائے گا۔ یہ بھی غلط ہے کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کو نہ مانا جائے اور یہ بھی غلط ہے کہ ان چاروں دلائل سے تجاوز کر کے مزید کسی من گھڑت دلیل سے شریعت کا مسئلہ ثابت کیا جائے۔

(تحفۃ العلماء بتغیر یسیر: 2/56)

سوال 115: فقہ (بلکہ شریعت) کا مسئلہ جن دلائل سے ثابت ہوتا ہے وہ یہی چار ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت زیادہ مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو یمن کا والی مقرر کیا تو الوداع کہتے وقت آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے معاذؓ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ اور مقدمہ پیش ہو تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ، (اس میں قرآن آ گیا) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اس معاملہ کا حل کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے ساتھ، (اس میں حدیث آ گئی) آپ ﷺ نے فرمایا اگر ان دونوں میں اس معاملے کا حل نہ پاؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، (جماعت اجتہاد کرے تو اجماع اگر فرد کرے تو قیاس) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے ساتھیوں کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے۔'' (ابوداؤد: 3592)

❏ وضاحت نمبر 1:

• قرآن

- نماز کی فرضیت قرآن سے ثابت ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا. (نساء:103)

ترجمہ: بے شک نماز مسلمانوں کے ذمہ ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔

- قرآن کو ماننے کی دلیل:

اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ. (اعراف:3)

ترجمہ: (لوگو!) جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے، اس کے پیچھے چلو۔

- لیکن نمازیں پانچ فرض ہیں یہ قرآن میں صراحتاً نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے۔

''حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔(ابوداؤد:429)

• حدیث

- حدیث کو ماننے کی دلیل:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ. (آل عمران:31)

میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے
گناہ معاف کردے گا۔

علامہ تقی امینی رحمہ اللہ نے سنت کی عجیب تشریح کی ہے، فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم نقشہ تعمیر ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اس نقشۂ تعمیر کے مطابق تیار کی ہوئی عمارت ہے، نقشہ (کتاب) کے ساتھ انجینئر (رسول) کے بھیجنے کے اصول پر اس وقت سے برابر عمل درآمد ہو رہا ہے، جب سے ہدایت الٰہی کے سلسلہ کی ابتداء ہوئی ہے، اسی بناء پر حالات وزمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عمارت کی تعمیر میں انجینئر کی بتائی ہوئی ہدایات کو قطعاً نظر انداز کرنے سے اصل نقشہ کی مطابقت نہیں ہوسکتی۔ (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر:94)

● اجماع

جب ہم امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو امام صاحب زور سے تکبیر کہتے ہیں اور مقتدی آہستہ تو یہ مسئلہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں بلکہ اجماع امت سے ثابت ہے۔

☆ اجماع کی تعریف:

اجماع رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانہ میں کسی دینی مسئلہ پر امت کے تمام مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے لیکن اگر کوئی مجتہد عمداً یا خطاً اس دینی مسئلہ میں اتفاق نہ کرے اور اس کے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہ ہو جو صحت کا احتمال رکھتی ہو تو اس کے اختلاف سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا ورنہ قرآن مجید کے یقیناً محفوظ اور متواتر ہونے کا دعویٰ مشکل ہو جائے گا کیونکہ بخاری کی احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جن آیتوں کی تلاوت منسوخ ہوگئی تھی ان کو قرآن میں شامل سمجھتے تھے اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سورۃ اللیل کی آیت وماخلق الذکر میں وما خلق کو (بخاری:4944)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) کو قرآن میں

شامل نہیں سمجھتے تھے (بخاری:4977)

حالانکہ ایک ساعت کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی قائل نہیں، بلکہ سب اس کو تمام زمانوں کے اعتبار سے یقینی اور محفوظ سمجھتے رہے ہیں اور چونکہ ان حضرات کو استدلال میں یقیناً غلطی ہوئی اس لیے کسی نے اس کو اجماع کے ثبوت کے لیے مضر نہیں سمجھا البتہ ان حضرات کو بھی شبہ کی وجہ سے معذور سمجھا گیا۔ (تحفہ بتغیر یسیر: 2/56)

☆ اجماع کو ماننے کی دلیل 1:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْـرَ سَبِيْـلِ الْـمُـؤْمِنِيْـنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْراً. (نساء:115)

اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

امام غزالیؒ (م505ھ) فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اجماع کا اتباع کرنا واجب ہے۔ امام شافعیؒ (م204ھ) نے اس مسئلہ پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ یہ آیت اس مضمون پر اتنی واضح ہے کہ اس کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماع ایسی دلیل شرعی ہے جس کی مخالفت جائز نہیں ہے جیسے کہ قرآن مجید اور سنت نبوی کی مخالفت جائز نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلمانوں کی پیروی اور رسول اللہ ﷺ کی

مخالفت کو شرط میں جمع کیا ہے اور ان کی مشترکہ سزا سخت وعید (جہنم) کو قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اجماع کی اتباع واجب ہے جیسے کہ خود رسول اللہ ﷺ کی اتباع واجب ہے۔

اس مضمون کو ہندوستان کے جلیل القدر مفسر قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کو (پیغمبر ﷺ) کی مخالفت اور غیر مسلمانوں کے طریق کار کے اتباع پر مرتب فرمایا ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کے بغیر سبب قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں، ورنہ دوسری بات کا ذکر لغو ہوگا۔ دونوں کا مجموعہ بھی اس کا سبب نہیں ہوسکتا کیونکہ انفرادی طور پر پیغمبر ﷺ کی مخالفت دلائل قطعیہ سے حرام ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان میں سے ہر ایک امر مذکورہ وعید کا سبب ہے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلنا حرام ہے وران کے راستے اتباع واجب کی ہے۔

☆ اجماع کو ماننے کی دلیل 2:

اجماع کا تصور سب سے پہلے خیر القرون یعنی عہد صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن مجید بھی تھا اور رسالت مآب ﷺ کی احادیث وسنت مبارکہ بھی، اس کے باوجود انہوں نے بعض مسائل میں اپنے اجتہاد وقیاس سے کام لیا اور باہم متفق ہو کر کسی قطعی رائے تک پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا اسی وقت درست اور جائز ہوسکتا ہے جب اس فیصلے میں ان حضرات کے پاس قرآن وسنت سے کوئی قطعی دلیل موجود تھی، یعنی یہ کہ اجماعی فیصلہ درست ہے۔

ایک مجتہد کا اجتہاد بھی قابل اتباع ہے اور جس مسئلے میں اس زمانے کے تمام اہل اجتہاد متفق الرائے ہو جائیں اور کسی بھی مجتہد اور صاحب بصیرت عالم کی طرف سے اس مسئلے میں

جمہور کی مخالفت منقول نہ ہو تو ایسا حکم واجب الاتباع تصور ہوگا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میری امت گمراہی پر کٹھی نہیں ہوسکتی'' نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ ''جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بات اللہ کے نزدیک بھی اچھی (احسن) ہے۔ لہٰذا ان سب کا کسی مسئلے پر اتفاق رائے سے اجتہاد کرنا بعد کے لوگوں کے لیے حجت ہوگا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع تابعینؒ کے اور تابعینؒ کے اجماع تبع تابعینؒ کے سامنے آئے مگر ان حضرات نے باوجود حق پرستی کے جذبے اور علمی وفکری وسعت کے، ان کی رائے پر تنقید نہیں کی بلکہ اس کو قبول کیا۔ اسی طرح بعد کے زمانوں میں جو اجتہادات ہوئے انہیں بعد کے زمانوں میں قبول کیا گیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع ہر دور میں حجت تصور کیا جاتا رہا ہے۔

اگر اجتہاد کسی ایک فرد کا ہو تو اس میں اس بات کا امکان ہوسکتا ہے کہ مجتہد نے کسی ضروری مسئلے کو سامنے نہ رکھا ہو لیکن اگر اس کے ہمراہ کسی اور فرد کا اجتہاد مل جائے تو اس کی رائے کو تقویت حاصل ہوجاتی ہے۔ اگر یہ سلسلہ لامتناہی (لامحدود) ہو اور اس مانہ کے بعد تمام مجتہدین کی رائے ایک ہوگئی ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس اجتہاد میں غلطی کا امکان نہیں ہے، لہٰذا اس کا اتباع ضروری ہوگا۔

بقول استاذ محمد ابوزہرہ اجماع کی حجیت پر تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے اور کسی زمانے میں بھی اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا گیا۔

● قیاس

جب امام اللہ اکبر کہتا ہے تو مقتدی بھی دو کام کرتا ہے (1) تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہتا ہے۔ (2) ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص تکبیر تحریمہ تو کہے لیکن ہاتھ نہ اٹھائے تو اس کی نماز ہوجائے گی؟ یا نہیں ہوگی؟ اس کی وضاحت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں

ایسے ہی کوئی شخص رکوع، سجدہ کی تسبیحات چھوڑ دے تو اس کی نماز ہو جائے گی؟ یا نہیں ہوگی؟ اس کی بھی وضاحت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ یہ مجتہد کے قیاس سے ثابت ہے اور مجتہد قیاس چونکہ قرآن وحدیث کی روشنی ہی میں کرتا ہے لہٰذا اس قیاس سے جو فقہی مسائل ثابت ہوں گے وہ بھی من گھڑت نہیں کہلائیں گے۔

☆ قیاس کو ماننے کی دلیل 1:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ. (لقمان:15)

اور ایسے شخص کا راستہ اپناؤ جس نے مجھ سے لو لگا رکھی ہو۔

☆ قیاس کو ماننے کی دلیل 2:

قیاس انسان کی ایک فطرت ہے، کوئی فطرت سلیمہ رکھنے والا عقل مند شخص قیاس کا انکار نہیں کرسکتا ہے، روزمرہ کے بے شمار واقعات میں ہر انسان ایک واقعہ کو دیکھ کر اس سے ملتے جلتے واقعات کا حکم سیکھتا ہے، حتیٰ کہ بچے تک قیاس سے واقف ہیں، مثلاً کلاس میں استاد صاحب ایک بچے کو کسی غلطی پر ڈانٹتے ہیں تو اس کو دیکھ کر دوسرے بچے بھی سنبھل جاتے ہیں کہ یہی غلطی ہم سے ہوئی تو ہمیں بھی ڈانٹ پڑے گی۔ یہ قیاس نہیں تو اور کیا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ قیاس ایک فطری چیز ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ دین اسلام ایک کامل ومکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ تمام مسائل کا حکم صراحتاً قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے۔ اب یہ بات کہ دین اسلام کامل ومکمل ضابطہ حیات ہے، اسی وقت درست ہوسکتی ہے جبکہ قیاس سے مسائل کا حکم معلوم کرنے کو تسلیم کرلیا جائے ورنہ جن مسائل کا حکم قرآن وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں اور قیاس کرنے والوں کا حکم معلوم کرنا بھی درست نہ ہو تو ان مسائل کے سلسلہ میں دین اسلام کی کوئی

راہنمائی نہ رہے گی اور پھر دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کیونکر رہ سکے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کا کامل ومکمل ضابطہ حیات ہونا اور قیاس یہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ اگر قیاس کا انکار کردیا جائے تو دین اسلام کا کامل ومکمل ضابطہ حیات ہونا تسلیم نہیں کرایا جاسکتا۔

زندگی میں پیش آنے والے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا حکم فقہائے امتؒ نے قیاس کے ذریعے معلوم کیا ہے اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ اگر قیاس کو بطور دلیل شرعی تسلیم نہ کیا جائے تو ان مسائل میں عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ ان مسائل کا حکم قرآن وسنت میں مذکور نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیاس کا انکار کرنے سے دین اسلام میں تعطل پیدا ہوتا ہے۔

دین اسلام کے انفرادی اور اجتماعی احکام پر عمل کرنے کے لیے جو مدون قانون ہمارے سامنے موجود ہے وہ ''فقہ اسلامی'' ہے۔ ''فقہ اسلامی'' کی ترتیب وتدوین فقہائے اسلامؒ کی اس عظیم جماعت نے کی جن کے علم وذہانت، فراست وتدبر، اخلاص وللّٰہیت اور احتیاط وتقویٰ کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ پھر اس کے بعد صدیوں سے مسلمان اس فقہ اسلامی پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ ان میں امت کے بڑے بڑے محدثین، مفسرین، اولیاء، اہل دل صوفیاء اور عامۃ المسلمین سب شامل رہے۔ اس لیے کہ فقہ کے علاوہ دین پر چلنے کا اور کوئی قابل عمل راستہ موجود ہی نہیں۔ فقہ اسلامی جن مسائل پر مشتمل ہے ان میں جہاں کتاب وسنت اور اجماع سے سمجھ میں آنے والے مسائل ہیں وہاں بیشتر مسائل وہ ہیں جو قیاس سے معلوم کیے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات سامنے آئی کہ گویا پوری امت قیاس پر عمل کرتی رہی ہے۔ اب عقل کی روشنی میں غور کیا جائے تو انسان یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ امت مسلمہ کے افراد کی اتنی بڑی تعداد ایک غلط بات پر جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا امت مسلمہ کے کثیر

افراد کا ہر دور میں فقہ پر عمل کرنا بھی قیاس کے حجت ہونے کی ایک عقلی دلیل ہے۔

الغرض فقہ اظہار مسائل: (یعنی قرآن و حدیث کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے مسائل کو ظاہر کرنے) کا نام ہے ایجاد مسائل (یعنی قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اپنی طرف سے مسائل گھڑنے) کا نام نہیں اور فقیہ (فقہ کے ماہر) کی حیثیت قانون دان کی ہوتی ہے قانون ساز کی نہیں۔

❑ وضاحت 2.

نمبر شمار	ملکی قانون	نمبر شمار	اسلامی قانون
1	آئین (متنی قانون)	1	اسلامی آئین (قرآن و حدیث)
2	ملکی آئین کی شارح پارلیمنٹ ہوتی ہے	2	اسلامی آئین کی شارح خلافت راشدہ ہے ہر خلیفہ اس اسمبلی کا گویا اسپیکر ہے
3	اس کے بعد ہر صوبہ میں ایک ہائی کورٹ ہوتا ہے اس کا چیف جسٹس قانون ساز نہیں قانون دان ہوتا ہے۔	3	ملکی آئین میں جن کو چیف جسٹس کہتے ہیں دین اسلام کی اصطلاح میں انہیں مجتہد کہتے ہیں (1. امام ابوحنیفہؒ، 2. امام مالکؒ، 3. امام شافعیؒ، 4. امام احمد بن حنبلؒ) یہ بھی اسلامی قانون ساز نہیں تھے بلکہ قانون دان تھے۔

4	پھر ہم روز مرہ کے مسائل میں دیکھتے ہیں کہ ایک ملزم کی گرفتاری کو ایک عدالت جائز قرار دیتی ہے اور دوسری عدالت ناجائز۔ جبکہ قانون کی کتاب دونوں کے سامنے ایک ہی ہے مگر اس خاص واقعہ پر قانون کے انطباق میں اختلاف ہوتا ہے اور آج تک کسی نے اس اختلاف کو ''مہمل بات'' قرار نہیں دیا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: 1/36)	4	اسی طرح چاروں ائمہ اجتہاد ہمارے دین کی عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) ہیں جب کوئی متنازعہ فیہ مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوتا ہے تو کتاب وسنت کے دلائل پر غور کرنے کے بعد وہ اس کے بارے میں فیصلہ فرماتے ہیں ایک کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ جائز ہے دوسرے کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ ناجائز ہے اور تیسرے کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ مکروہ ہے اور چونکہ سب کا فیصلہ اس امر کے قانون نظائر اور کتاب وسنت کے دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے سب کا فیصلہ لائق احترام ہے۔ (باعث رحمت) گو عمل کے لیے ایک ہی جانب کو اختیار کرنا پڑے گا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: 1/36)
5	جس طرح چیف جسٹس (قانون ملکی کے ماہرین) کے فیصلوں کو بطور نظیر قانون کی کتاب PLD میں نقل کر لیا جاتا ہے اور ماتحت عدالتیں PLD کا حوالہ دے کر فیصلہ دیتی ہیں۔	5	اسی طرح مجتہدین (قانون اسلامی کے ماہرین) کے فیصلوں (فتوے) فقہ کی کتابوں (ہدایہ، شامی، عالمگیری، وغیرہ) میں محفوظ کر لیے گئے اور مفتی حضرات امام ابوحنیفہؒ نے یوں فرمایا کہہ کر اپنا فیصلہ (فتویٰ) نقل کرتے ہیں۔

6	بعض اوقات چیف جسٹس ایک ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک فل بینچ بیٹھتا ہے جس کو سپریم کورٹ کہتے ہیں۔	6	اسلام کی اصلاح میں اس (سپریم کورٹ) کو اجماع امت کہتے ہیں۔

نتیجہ		نتیجہ	
1	جس طرح ملک کے کسی صوبہ میں رہنے والے کا یہ کہنا غلط ہے کہ میں صرف پاکستان کے آئین کو مانتا ہوں قومی اسمبلی، ہائیکورٹ، سپریم کورٹ ماتحت عدالتیں اوران کے فیصلے اور جو تشریح یہ آئین کی کرتے ہیں وہ مجھے منظور نہیں۔ یہ PLD کے حوالے دیتے ہیں، براہ راست آئین کے حوالے نہیں دیتے تو اس صورت میں ملک کا قانون کیسے کس کے ذریعے چلے گا اور کون اس کو نافذ کرے گا۔	1	اسی طرح کسی مسلمان کا یہ کہنا غلط ہے کہ میں صرف قرآن وحدیث کو مانتا ہوں، اجماع، قیاس، فقہ، چاروں ائمہ مجتہدین ان کی فقہ اور مفتی حضرات کے فتوؤں کو میں نہیں مانتا، یہ اپنے فتووں میں ابو حنیفہؒ کا حوالہ دیتے ہیں براہ راست قرآن وحدیث کا حوالہ نہیں دیتے۔
2	جس طرح ہائی کورٹ، سپریم کورٹ، ماتحت عدالتوں سے فیصلہ سننے والا سمجھتا ہے کہ یہ جج کی رائے نہیں بلکہ آئین کا فیصلہ ہے نیز ان عدالتوں کو بے کار کہنے والا جس طرح توہین عدالت کا مرتکب کہا جاتا ہے۔		اسی طرح ائمہ نے جو فقہ مرتب فرمائی ہے یہ ان کے ذاتی فیصلے نہیں بلکہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اوران ائمہ رحمہم اللہ کو اوران کی فقہ کو بے کار سمجھنے والا بھی عدالت عالیہ اورقوانین اسلام کی توہین کرکے فاسق شمار ہوگا۔

			نوٹ: عوام کی آسانی کے لیے علماء نے فقہ کی بعض کتابوں (جیسے بہشتی زیور وغیرہ) میں صرف مسائل لکھ دیے قرآن وحدیث کے دلائل طوالت کی وجہ سے وہاں نہیں لکھے اور بعض کتابوں میں مسائل اور قرآن وحدیث سے ان کے دلائل دونوں لکھ دیے ہیں جیسے (1) شرح معانی الآثار للطحاویؒ (2) فتح القدیر لابن الہمامؒ (3) نصب الرایہ للزیلعیؒ (4) الجواہر النقی للماردینیؒ (5) عمدۃ القاری للعینیؒ (6) فتح الملہم لمولانا العثمانیؒ (7) بذل المجہود لمولانا السہارنپوریؒ (8) اعلاء السنن لمولانا ظفر احمد العثمانیؒ (9) معارف السنن لمولانا البنوریؒ (10) فیض الباری شرح صحیح البخاریؒ
3	پھر جس طرح دنیا میں آج جب بھی کسی شخص کو قانون کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنی ہوتی ہے تو وہ کسی ماہر قانون کی طرف رجوع کرتا ہے قانون کی کتابیں براہ راست دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا، اب اگر		یہ بات اس سے کہیں زیادہ صحت کے ساتھ قرآن وسنت پر صادق آتی ہے کہ ان سے مسائل شرعیہ کا استنباط ان علوم کی زبردست مہارت کا تقاضہ کرتا ہے ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں المجلہ 1/40)

بالفرض وہ کسی ایسے ماہر قانون کے بارے کے پاس جاتا ہے جس کی علمی مہارت اور تجربہ مسلم ہے اور جس کے بارے میں اسے یقین ہے کہ یہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا اور وہ ماہر قانون کسی قانونی نکتے کی وضاحت کرتا ہے تو اس کا فرض یہ ہے کہ اس کی بات پر اعتماد کر کے اس پر عمل کرے، پھر اگر بالفرض اسے اتفاقاً قانون کی کوئی کتاب ہاتھ لگ جاتی ہے اور اس کا کوئی جملہ اسے بظاہر اس ماہر قانون کی بتائی ہوئی بات کے خلاف محسوس ہوتا ہے تب بھی اس کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ماہر قانون کی بات کو رد کر دے، بلکہ اس کو عمل اسی ماہر قانون کی بات پر کرنا ہوگا اور کتاب کے بارے میں یہ سمجھنا ہوگا کہ اس کا صحیح مطلب کچھ اور ہے جو میں نہیں سمجھ سکا، وجہ یہ ہے کہ قانون کی کتابوں سے کوئی نتیجہ نکالنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے اس فن کی مہارت اور وسیع تجربہ درکار ہے۔

الغرض عوام کا کام اپنے امام کی تقلید کرنا ہے ان کو چاہیے کہ ہر حال میں اپنے امام مجتہد کے قول پر عمل کریں اور اگر انہیں کوئی حدیث امام کے قول کے خلاف نظر آئے تو اس کے بارے میں یہ سمجھیں کہ اس کا صحیح مطلب یا صحیح محمل ہم نہیں سمجھ سکے اور جس امام کی ہم نے تقلید کی ہے انہوں نے اس کے ظاہری مفہوم کو کسی دوسری قوی دلیل کی بناء پر چھوڑا ہے، عوام کے لیے اس طرز عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے ورنہ احکام شریعت کے معاملے میں جو شدید افراتفری برپا ہوگی اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(تقلید کی شرعی حیثیت:94)

تقلید

 تقلید کا معنیٰ ومطلب

سوال116: تقلید کا لغوی اور شرعی معنیٰ کیا ہے؟

جواب: **لغوی معنی:** تقلید کا معنی لغت میں پیروی ہے اور لغت کے اعتبار سے تقلید، اتباع، اطاعت اور اقتداء سب ہم معنیٰ ہیں۔

شرعی معنیٰ: تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلاوے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔ (الاقتصاد)

 تقلید کا ثبوت

سوال117: تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے بیان کریں؟

جواب:

- قرآن کریم

(1) يَـٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نساء:59)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے آپ میں سے ''اولوالامر'' کی اطاعت کرو۔''

حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

بن السائب، حضرت حسن بصری، حضرت ابوالعالیہ رحمہم اللہ اور دوسرے بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اولوالامر سے مراد فقہاء کرامؒ ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق آیت میں مسلمانوں سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں اور ان علماء وفقہاء کی اطاعت کریں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کے شارح ہیں اور اسی اطاعت کا اصطلاحی نام ''تقلید'' ہے۔

(2) وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ. (نساء:83)

''اور جب ان (عوام الناس) کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو یہ اس کی اشاعت کردیتے ہیں اور اگر یہ اس معاملے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یا اپنے ''اولوالامر'' کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے جو لوگ اس کے استنباط کے اہل ہیں وہ اس (کی حقیقت) کو خوب معلوم کرلیتے۔''

آیت مذکورہ میں اس بات کی تلقین فرمائی ہے کہ جنگ وامن کے بارے میں جو کوئی بات کسی تک پہنچے وہ اس کے مطابق از خود کوئی عمل کرنے کی بجائے اسے ''اولوالامر'' تک پہنچادے، ان میں سے جو حضرات تحقیق واستنباط کے اہل ہیں، وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ کر حقیقت معلوم کرلیں گے اور انہیں اس سے باخبر کردیں گے، لہٰذا ان کا کام ان اطلاعات پر از خود کوئی ایکشن لینا نہیں بلکہ ان باتوں سے اولوالامر کو مطلع کرکے ان کے احکام کی تعمیل ہے۔

اس آیت سے یہ اصولی ہدایت مل رہی ہے کہ جولوگ تحقیق ونظر کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کواہل استنباط کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور وہ اپنی اجتہادی بصیرت کو کام میں لاکر جوراہِ عمل متعین کریں اس پر عمل کرنا چاہیے اور اسی کا نام تقلید ہے۔

(3) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (التوبۃ: 123)

''پس کیوں نہ نکل پڑا ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ تاکہ یہ لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں اور تاکہ لوٹنے کے بعد اپنی قوم کو ہوشیار کریں شاید کہ وہ لوگ (اللہ کی نافرمانی سے) بچیں۔''

اس آیت میں اس بات کی تائید کی گئی ہے کہ مسلمانوں میں تمام افراد کو جہاد وغیرہ کے کاموں میں مشغول نہ ہوجانا چاہیے، بلکہ ان میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو اپنے شب وروز ''تفقہ'' (دین کی سمجھ) حاصل کرنے کے لیے وقف کردے اور اپنا اوڑھنا بچھونا علم کو بنائیں تاکہ یہ جماعت ان لوگوں کو احکام شریعت بتلائے جو اپنے آپ کو تحصیل علم کے لیے فارغ نہیں کرسکے۔

لہٰذا اس آیت نے علم کے لیے مخصوص ہوجانے والی جماعت پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ دوسروں کو احکام شریعت سے باخبر کرے اور دوسروں کے لیے اس بات کو ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ان کے بتلائے ہوئے احکام پر عمل کریں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رہیں اور اسی کا نام تقلید ہے۔

(4) فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.

(النحل: 43، الانبیاء: 7)

''اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو......''

اس آیت میں یہ اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ جو لوگ کسی علم وفن کے ماہر نہ ہوں انہیں چاہیے کہ وہ اس علم وفن کے ماہرین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں اور یہی چیز تقلید کہلاتی ہے۔

- احادیث مبارکہ

(1) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ لَا اَدْرِيْ مَابَقَائِيْ فِيْكُمْ، فَاقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ (رواہ الترمذی وابن ماجہ واحمد)

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں میں کتنا عرصہ تمہارے درمیان رہوں گا؟ پس تم میرے بعد دو شخصوں کی اقتداء کرنا، ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ، دوسرے عمر رضی اللہ عنہ۔ (اور اقتداء کہتے ہیں دینی امور میں کسی کی اتباع و پیروی کرنے کو) لہٰذا اس حدیث کا اصل مقصد دینی امور میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کا حکم دینا ہے اور اسی کا نام تقلید ہے۔

(2) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ

عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا" (بخاری، مسلم)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم کو (دنیا سے) اس طرح سے نہیں اٹھائے گا کہ اسے بندوں (کے دل) سے سلب کر لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اپنے پاس) بلا لے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

اس حدیث میں واضح طور سے فتویٰ دینا علماء کا کام قرار دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ ان سے مسائل شرعیہ پوچھیں، وہ ان کا حکم بتائیں اور لوگ اس پر عمل کریں، یہی تقلید کا حاصل ہے۔

(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَفْتٰى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ. (رواہ ابوداوٗد)

"جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے گا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔"

یہ حدیث بھی تقلید کے جواز پر بڑی واضح دلیل ہے، اس لیے کہ اگر تقلید جائز نہ ہوتی اور کسی کے فتوے پر دلیل کی تحقیق کے بغیر عمل جائز نہ ہوتا تو مذکورہ صورت میں سارا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہی کیوں ہوتا؟ بلکہ جس طرح مفتی کو بغیر علم کے فتویٰ دینے کا گناہ ہوتا اسی

طرح سوال کرنے والے کو اس بات کا گناہ ہونا چاہیے تھا کہ اس نے فتوے کی صحت کی تحقیق

کیوں نہیں کی؟ لہٰذا حدیث بالا نے یہ واضح فرمادیا کہ جو شخص خود عالم نہ ہو اس کا فریضہ صرف اس قدر رہی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے مسئلہ پوچھ لے جو اس کی معلومات قرآن وسنت کا علم رکھتا ہو، اس کے بعد اگر وہ عالم اسے غلط مسئلہ بتائے گا تو اس کا گناہ پوچھنے والے پر نہیں ہوگا، بلکہ بتانے والے پر ہوگا۔

(4) حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری رحمہ اللہ سے روایت ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یحمل ھذاالعلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین. (رواہ البیھقی فی المدخل)

''ہر آنے والی نسل کے ثقہ لوگ اس علم دین کے حامل ہوں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف کو، باطل پرستوں کے جھوٹے دعووں کو اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے''

اس حدیث میں ''جاہلوں کی تاویلات'' کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان تاویلات کی تردید علماء کرام کا فریضہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن وسنت کے علوم میں مجتہدانہ بصیرت نہیں رکھتے انہیں اپنی فہم پر اعتماد کر کے احکام قرآن وسنت کی تاویل نہیں کرنی چاہیے بلکہ قرآن وسنت کی صحیح مراد سمجھنے کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اسی کا نام ''تقلید'' ہے۔

(5) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جماعت سے دیر سے آنے لگے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں جلدی آنے اور اگلی صفوں میں نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی

اور ساتھ ہی فرمایا:

ایتموا بی والیأتم بکم من بعدکم.

''تم مجھے دیکھ دیکھ کر میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد والے لوگ تمہیں دیکھ دیکھ کر تمہاری اقتداء کریں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''علماء نے اس حدیث کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم مجھ سے احکام شریعت سیکھ لو اور تمہارے بعد آنے والے تابعین تم سے سیکھیں اور اسی طرح ان کے متبعین ان سے سیکھیں اور یہ سلسلہ دنیا کے خاتمے تک چلتا رہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت)

❑ کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے

سوال **118**: کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے؟

جواب: کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن وسنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہو، خواہ اس بناء پر کہ قرآن وسنت کی عبارت کے ایک سے زاید معنیٰ نکل سکتے ہوں، خواہ اس بناء پر کہ اس میں کوئی اجمال ہو، یا اس بناء پر کہ اس مسئلے میں دلائل متعارض ہوں، چنانچہ قرآن وسنت کے جو احکام قطعی ہیں یا جن میں کوئی اجمال وابہام، تعارض یا اسی قسم کی کوئی الجھن نہیں ہے وہاں کسی امام ومجتہد کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ پاکستان میں جو قانون نافذ ہے وہ حکومت نے کتابی شکل میں مدون اور مرتب کر کے شائع کر رکھا ہے لیکن ملک کے

کروڑوں عوام میں سے کتنے آدمی ہیں جو براہ راست قانون کی عبارتیں دیکھ دیکھ کر اس پر عمل کر سکتے ہوں؟ بے پڑھے لکھے افراد کا تو کچھ کہنا ہی نہیں ہے، ملک کے وہ بہترین تعلیم یافتہ افراد جنہوں نے قانون کا باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا، اعلیٰ درجہ کی انگریزی جاننے کے باوجود یہ جرأت نہیں کرتے کہ کسی قانونی مسئلہ میں براہ راست قانون کی کتاب دیکھیں اور اس پر عمل کریں، اس کے بجائے جب انہیں کوئی قانون سمجھنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ کسی ماہر وکیل کو تلاش کر کے اس کے قول پر عمل کرتے ہیں، کیا کوئی صحیح العقل انسان اس طرزِ عمل کا یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے اس وکیل کو قانون سازی کا اختیار دے دیا ہے اور وہ ملکی قانون کے بجائے وکلاء کو اپنا حاکم تسلیم کرنے لگتے ہیں؟ بالکل یہی معاملہ قرآن وسنت کے احکام کا ہے کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لیے ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کرنے اور ان پر اعتماد کرنے کا نام ''تقلید'' ہے لہٰذا تقلید کرنے والے کو یہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ وہ قرآن وسنت کی بجائے ائمہ مجتہدین کا اتباع کر رہا ہے۔ (تقلید کی شرعی حیثیت)

❑ کون کس کی تقلید کرے گا

سوال 119: کون تقلید کرے اور کن کی تقلید کرے؟

جواب: ائمہ شریعت کی تقلید اس پر واجب نہیں جو علم تفسیر، فقہ وحدیث میں کامل ہو اور مرتبۂ اجتہاد واستنباط مسائل پر قادر ہو ناسخ ومنسوخ ومحاورۂ عرب سے واقف ہو، اگر اس قدر استعداد نہیں رکھتا ہے تو ائمہ کی تقلید اس پر واجب

ہےاور یہ سب (علوم) اس میں موجود ہوں اور پھر بھی ائمہ کی تقلید کرے تو

احسن ہے۔

ظاہر ہے کہ حساب دان کے سامنے جب سوال آئے گا تو وہ خود حساب کے قاعدوں سے سوال کا جواب نکال لے گا اور جس کو حساب کے قاعدے نہیں آتے وہ حساب دان سے جواب پوچھ لے گا۔اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ جو شخص خود مجتہد ہوگا وہ خود قواعد اجتہادیہ سے مسئلہ تلاش کر کے کتاب وسنت پر عمل کرے گا اور غیر مجتہد یہ سمجھ کر کہ میں خود کتاب وسنت سے مسئلہ استنباط کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔اس لیے کتاب وسنت کے ماہر سے پوچھ لوں کہ اس میں کتاب وسنت کا کیا حکم ہے۔اس طرح عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں اور مقلد ان مسائل کو ان کی ذاتی رائے سمجھ کر عمل نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجتہد نے ہمیں خدا کی مراد اور رسول اللہ ﷺ کی مراد سے آگاہ کیا ہے۔

لیکن آج کل دیکھا جاتا ہے کہ علم تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ تو کیا قرآن شریف یا حدیث شریف بلا اعراب (زبر، زیر، پیش) کے صحیح نہیں پڑھ سکتے۔استنباط مسائل کی عقل (اور سمجھ) تو بہت دور کی بات ہے لیکن ائمہ شریعت کی تقلید نہیں کرتے اور تقلید کو شرک کہتے ہیں،ان سے اگر یہ سوال کیا جائے تم جو اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہو تم نے یہ مسائل قرآن وحدیث سے اخذ کیے ہیں یا کسی صاحب سے سن کر عمل کیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ فلاں صاحب سے سن کر عمل کیا ہے تو پھر یہ تقلید نہ ہوئی تو اور کیا ہوا؟

(فتاویٰ رحیمیہ :1/84 ،مجموعہ رسائل:1/20)

☐ اماموں کی تقلید کا حکم قرآن وحدیث میں ہے؟ یا اماموں نے خود دیا تھا

سوال **120**: کیا قرآن وحدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرو؟

اب: قرآن پاک میں قرآن کی تلاوت کا حکم موجود ہے مگر ان دس قاریوں کا نام مذکور نہیں جن کی قرائتوں پر آج ساری دنیا تلاوت قرآن کر رہی ہے اور نہ یہ حکم ہے کہ ان دس قاریوں میں سے کسی ایک قاری کی قرأۃ پر قرآن پڑھنا ضروری ہے مگر ہمارے ملک پاک و ہند میں سب مسلمان قاری عاصم کوفی رحمہ اللہ کی قرأۃ اور قاری حفص کوفی رحمہ اللہ کی روایت پر قرآن پڑھتے ہیں۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ ساری زندگی ایک قرأت پر قرآن پڑھنا کفر ہے یا شرک یا حرام یا جائز۔ اسی طرح کتاب وسنت سے سنت کا واجب العمل ہونا ثابت ہے مگر نام لے کر بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کو صحاح ستہ نہیں کہا گیا۔ نہ بخاری ومسلم کو صحیحین کہا گیا۔ نہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا گیا جس طرح ان دس قاریوں کا قاری ہونا اجماع امت سے ثابت ہے، اسی طرح اصحاب صحاح ستہ کا محدث ہونا اجماع امت سے ثابت ہے، اسی طرح ان چاروں اماموں کا مجتہد ہونا اجماع امت سے ثابت ہے اور مجتہد کی تقلید کا حکم کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

(مجموعہ رسائل)

سوال 121: کیا کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا ہے؟

ا ب: اماموں نے کہا ہو یا نہ کہا ہو خدا اور رسول نے حکم دیا ہے کہ اہل علم وہ جتہاد کی پیروی کرو۔ (کفایت المفتی 1/336)

❑ اماموں سے پہلے کن کی تقلید ہوتی تھی

سوال 122: چاروں اماموں سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تک یہ لوگ کس امام کی تقلید کرتے تھے یا اس وقت تقلید واجب نہ تھی؟

ا ب: صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین دو قسم کے تھے۔ **(1)** مجتہد **(2)** مقلد۔ یعنی بعض صحابہؓ ایسے تھے جو تحصیل علم میں زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتے تھے۔ یہ کسی خاص مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے وہ دوسرے فقہاء مجتہدین صحابہؓ سے فتویٰ پوچھ کر عمل کرتے تھے پھر فتویٰ کا طریقہ یہ تھا کہ جو صحابہؓ مفتی تھے انہوں نے صرف مسئلہ بتایا یا اس کے ساتھ بطور دلیل کوئی آیت یا حدیث نہیں سنائی اور باقی صحابہؓ نے دلیل کے مطالبہ کے بغیر ان اجتہادی فتاویٰ پر عمل کیا۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ مفتی صحابہ کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم انهم تفرقوا في البلاد وصار كل واحد مقتدى ناحية من النواحي

کہ صحابہ متفرق شہروں میں پھیل گئے اور ہر علاقہ میں ایک

مثلاً مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مدینہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تقلید ہوتی تھی پھر ان کے بعد تابعین کا دور آیا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فعند ذلک صار لکل عالم من التابعین مذهب علی حیاله فانتصب فی کل بلد امام (الانصاف:6)

یعنی ہر تابعی عالم کا ایک مذہب قرار پایا اور ہر شہر میں ایک ایک امام ہو گیا۔ لوگ اس کی تقلید کرتے۔

الغرض دور صحابہؓ و تابعینؒ سے تقلید تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس دور میں ایک شخص بھی منکر تقلید نہ تھا چونکہ ان صحابہؓ اور تابعینؒ کی مرتب کی ہوئی کتابیں آج موجود نہیں جو متواتر ہوں۔ ہاں ان کے مذاہب کو ائمہ اربعہؒ نے مرتب کرا دیا تو اب ان کے واسطہ سے ان کی تقلید ہو رہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے صحابہؓ و تابعینؒ بھی یہی قرآن پاک تلاوت فرماتے تھے مگر اس وقت اس کا نام قراۃِ حمزہ نہ تھا۔ صحابہؓ و تابعینؒ بھی یہی احادیث مانتے تھے مگر رواہ البخاری اور رواہ مسلم نہیں کہتے تھے۔ یہ سوال سائل کا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کیا دس قاریوں سے پہلے قرآن نہیں پڑھا جاتا تھا یا صحابہؓ و تابعینؒ میں نہ کسی نے بخاری پڑھی نہ مشکوٰۃ۔ کیا اس زمانہ میں حدیث کا ماننا اسلام میں ضروری نہ تھا؟ (مجموعہ رسائل)

❑ ایک ہی امام کی تقلید کیوں ضروری ہے

سوال **123**: یہ کیوں ضروری ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کی جائے، اس میں کیا حرج

ہے کہ کوئی مسئلہ کسی امام کا لے لیا جائے کوئی کسی کا

جواب: قرونِ اولیٰ میں خیر کا غلبہ تھا، نفسانی خواہشوں کا عامۃ دین میں دخل نہیں تھا، اس لیے جو شخص بھی اپنے جس بڑے سے مسئلہ دریافت کرتا نیک نیتی سے دریافت کرتا اور اس پر عمل کرلیتا تھا، چاہے نفس کے موافق ہو یا خلاف ہو، مگر بعد کے دور میں یہ بات نہیں رہی بلکہ لوگوں میں ایسا داعیہ پیدا ہونے لگا کہ ایک مسئلہ ایک عالم سے معلوم کیا اس میں نفس کو تنگی محسوس ہوئی تو دوسرے سے اسی پر قناعت نہیں کی گئی جس میں سہولت معلوم ہوئی تو بس اسی کو اختیار کرلیا پھر اسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ ہر مسئلہ میں اس کی فکر لگی (کہ) کہاں سے سہولت کا جواب ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ طلب حق کا داعیہ نہیں۔

اس میں بعض دفعہ بڑی خرابی پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً: کسی باوضو آدمی نے بیوی کو ہاتھ لگایا اس سے کسی شافعی المذہب نے کہا کہ وضو دوبارہ کرو کیونکہ یہ ناقض وضو ہے تو یہ شخص جواب میں کہتا ہے کہ میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتا ہوں، ان کے نزدیک ناقض وضو نہیں، بلکہ اس وضو سے نماز درست ہے پھر اس نے قے کی اس پر ایک حنفی المذہب نے کہا کہ وضو دوبارہ کرو کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قے ناقض وضو ہے اس نے جواب دیا کہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں، ان کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے، بلکہ اس وضو سے نماز درست ہے۔ اب یہ شخص اگر اسی وضو سے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہوگی نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہوگی، اسی کا نام تلفیق ہے جو کہ بالاجماع باطل اور ناجائز ہے۔

درحقیقت یہ طریقہ اختیار کرنا نہ امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید ہے نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید ہے بلکہ یہ تو خواہش نفسانی کا اتباع ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے اس کا نتیجہ خدا کے راستہ سے ہٹنا اور بھٹکنا ہے: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه اس لیے ضروری ہوا کہ ایک ہی امام کی تقلید کی جائے۔ چونکہ قرآن پاک نے اتباع کو انابت کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ اس بناء پر مجموعی حالات میں کسی کو امام ابوحنیفہؒ کے متعلق ظن غالب حاصل ہوا کہ منیب ومصیب ہیں یعنی ان کا اجتہاد قرآن وحدیث کے زیادہ موافق ہے، اس لیے ان کی تقلید اختیار کی۔ کسی کو امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ میں سے کسی کے متعلق یہ ظن حاصل ہوا اس نے ان کی تقلید کی۔ اب یہ درست نہیں کہ اپنے امام کو چھوڑ کر جب دل چاہا کسی دوسرے کے مذہب پر عمل کر لیا کیونکہ بغیر اجازت شرعیہ کے اس میں تلفیق بھی ہو جاتی ہے اور خواہش نفسانی کا اتباع ہے جس کا نتیجہ حق سے بُعد اور گمراہی ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: 2/606)

اس ملک میں یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ جیسے یمن میں صرف حضرت معاذؓ مجتہد تھے اور سب لوگ ان کی ہی تقلید کرتے تھے اسی طرح اس ملک میں مدارس، مساجد، مفتی صرف اور صرف سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ہیں۔ دوسرے کسی مذہب کے مفتی موجود ہی نہیں کہ عوام ان سے فتویٰ لیں۔ اس لیے یہاں تو ایک ہی امام متعین ہے۔ جیسے کسی گاؤں میں ایک ہی مسجد ہو تو ایک ہی امام کے پیچھے ساری نمازیں پڑھنی واجب ہیں، ایک ہی ڈاکٹر ہو سب اسی سے علاج کرواتے ہیں۔ ایک ہی قاری ہو سب اسی سے قرآن پڑھ لیتے ہیں اس لیے یہاں ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے (مجموعہ رسائل)

فائدہ: حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ تقلید شخصی کے چھوڑ دینے سے پانچ کاموں میں خلل

غالب رکھنا یعنی خواہش نفسانی کو دین کے تابع بنانا، دین کو اس کے تابع نہ بنانا۔ **(3)** ایسے کام سے بچنا جس میں قوی اندیشہ اپنے دین کے نقصان کا ہو۔ **(4)** اہل حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا۔ **(5)** دائرہ اسلام سے نہ نکلنا اور تقلید شخصی میں اس خلل کا انسداد اور علاج ہے۔ (الاقتصاد:39، بحوالہ احسن الفتاویٰ:1/414)

❑ کیا اب کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوسکتا

سوال **124**: کیا چاروں اماموں کے بعد کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوا؟ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ اور اب کوئی مجتہد پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

ج: چوتھی صدی کے بعد اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہوا ہے یعنی اس کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ جہاں تک نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کا تعلق ہے ان پر ائمہ مجتہدین کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں غور کیا جائے گا اور اس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد ممنوع قرار دے دیا گیا بلکہ یہ مطلب ہے کہ اجتہاد مطلق کے لیے جس علم وفہم، جس بصیرت وادراک اور جس ورع وتقویٰ کی ضرورت ہے وہ معیار ختم ہو گیا اب اس درجہ کا کوئی آدمی نہیں جو اجتہاد مطلق کی مسند پر قدم رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:1/38)

❑ جو تقلید نہیں کرتے ان کا کیا حکم ہے

سوال **125**: جو لوگ چاروں اماموں میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے اور اپنے

اب: اہل حدیث میں سے وہ حضرات جو چاروں مذاہب کی تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک یا چاروں ائمہ کو برا کہتے ہیں وہ فاسق ہیں اور جو ایسے نہیں ہیں صرف تقلید کو چھوڑنے والے ہیں اور محدثین کے مذہب پر ظاہر حدیث کی اتباع کو افضل سمجھتے ہیں اور اس میں خواہش نفسانی کی اتباع سے کام نہیں لیتے وہ فاسق بھی نہیں ہیں بلکہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔(امدادالاحکام:1/168)

❑ تقلید کے مسئلہ پر اردو زبان میں کتابیں

سوال126: کیا مسئلہ تقلید پر اردو زبان میں بھی کوئی کتاب لکھی گئی ہے جسے پڑھ کر اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھا جا سکے؟

جواب: اس مسئلہ پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔چند ایک کے نام یہ ہیں:

☆ تقلید کی شرعی حیثیت ☆ الکلام المفید فی اثبات التقلید
☆ تحفۃ العرب والعجم ☆ مدارالحق بجواب معیارالحق
☆ تقلید اور امام اعظمؒ ☆ انتصارالحق بجواب معیارالحق
☆ تنقید فی بیان التقلید ☆ تقلید ائمہ اور مقام امام ابوحنیفہؒ
☆ تنقیح التقلید ☆ خیرالتقلید ☆ اجتہاد اور تقلید
☆ تقلید شخصی ☆ توفیرالحق ☆ تنویرالحق
☆ الاقتصاد ☆ سبیل الرشاد ☆ ادلہ کاملہ
☆ ایضاح الادلہ وغیرہ وغیرہ۔

﴿مفتی منیر احمد صاحب کی تالیفات ورسائل﴾

1	فہمِ محرم الحرام کورس (کتابچہ)	14	رہنما کورسز
2	فہمِ صفر کورس	15	تواضع اور عاجزی (بچوں کے لیے)
3	فہمِ شعبان کورس	16	بردباری اور درگزر کرنا (بچوں کے لیے)
4	فہمِ رمضان کورس (مطبوعہ)	17	نصاب ''مفاتیح الخیر''
5	فہمِ قربانی کورس (مطبوعہ)	18	کتابِ زندگی
6	فہمِ سنت کورس	19	نحو (نقشوں کی شکل میں)
7	فہمِ دین کورس (بڑوں کے لیے)	20	طلاق کے اصول وضوابط
8	فہمِ دین کورس (خواتین کے لیے)	21	ہماری پریشانیوں کا حل
9	فہمِ دین کورس (بچوں کے لیے)	22	استخارہ (کتابچہ)
10	علم دین سیکھنے کا صحیح طریقہ	23	مسائل حیض واستحاضہ (نقشوں کی مدد سے)
11	حج وعمرہ کی جنایات	24	مسائل میراث (نقشوں کی مدد سے)
12	حلال وحرام رشتے	25	حیات المسلمین (سوالاً جواباً)
13	سیرت کوئز لیول 1	26	ایمانیات (مطبوعہ)


سیرت کورس
لیول 1
فہم قربانی کورس
استخارہ